ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
48
www.tanzeem.org
10 تا 16 ربیع الاوّل 1437ھ / 22 تا 28 دسمبر 2015ء

اس شمارے میں

سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

بارگاہِ الٰہی میں
حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد

حکایتِ غمِ آرزو

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝

سندھ آپریشن اور
پاک بھارت مذاکرات

وفاقی شرعی عدالت کے سود کے حوالہ
سے 14 سوال اوران کے جوابات

لبرل ازم کی صبح کب طلوع ہوگی؟

ماہ ربیع الاوّل: ہمارے لیے دعوتِ فکر

ماہ ربیع الاول کا ورود تمہارے لیے جشن ومسرت کا پیغامِ عام ہوتا ہے۔ تم اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اسی کی یاد میں، اسی کے تذکرے میں اور اسی کی محبت کی لذت وسرور میں بسر کرنا چاہتے ہو۔ مگر کبھی تم نے اس حقیقت پر بھی غور کیا کہ یہ کون ہیں جن کی ولادت کے تذکرے میں تمہارے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا ایسا عزیز پیام ہے؟

آہ! اگر اس مہینے کی آمد تمہارے لیے جشن ومسرت کا پیام ہے کیونکہ اسی مہینے میں وہ آیا جس نے تم کو سب کچھ دیا تھا لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اسی مہینے میں پیدا ہونے والی ہستی نے جو کچھ ہمیں دیا تھا وہ سب کچھ ہم نے کھو دیا۔ تم اپنے گھروں کو مجلسوں سے آباد کرتے ہو مگر تمہیں اپنے دل کی اجڑی بستی کی بھی کچھ خبر ہے؟ تم کافوری شمعوں کی قندیلیں روشن کرتے ہو مگر اپنے دل کے اندھیاروں کو دور کرنے کے لیے چراغ نہیں ڈھونڈتے؟ تم پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو مگر آہ! تمہارے اعمال حسنہ کا پھول مرجھا گیا ہے۔ تم گلاب کے چھینٹوں سے اپنے رومال وآستین کو معطر کرنا چاہتے ہو مگر آہ! تمہاری عظمتِ اسلامی کی عطر بیزی سے دنیا کی مشام روح یکسر محروم ہے۔

کاش تمہاری مجلسیں تاریک ہوتیں، تمہارے اینٹ اور چونے کے مکانوں کو زیب وزینت کا ایک ذرہ نصیب نہ ہوتا، تمہاری آنکھیں رات رات بھر کی مجلس آرائیوں میں نہ جاگتیں، تمہاری زبانوں سے ماہ ربیع الاول کی ولادت کے لیے دنیا کچھ نہ بھی سنتی، مگر تمہاری روح کی آبادی معمور ہوتی۔ تمہارے دل کی بستی نہ اجڑتی۔ تمہارا طالع خفتہ بیدار ہوتا۔ تمہاری زبانوں سے نہیں تمہارے اعمال حسنہ سے اسوۂ حسنہ نبوی کی مدح وثنا کے ترانے اٹھتے! تم اس کے آنے کی خوشیاں تو مناتے ہو مگر تم نے اس مقصد کو فراموش کر دیا ہے جس کے لیے وہؐ آیا تھا۔ یہ ماہ اگر خوشیوں کی بہار ہے تو صرف اس لیے کہ اسی مہینے میں دنیا کی خزان ضلالت ختم ہوئی اور کلمہ حق کا موسم ربیع شروع ہوا۔ پھر اگر آج دنیا کی عدالت مسموم ضلالت کے جھونکوں سے مرجھا گئی ہے۔ تو اے غفلت پرستو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بہار کی خوشیوں کی رسم تو مناتے ہو مگر خزاں کی پامالیوں پر نہیں روتے؟

مولانا ابوالکلام آزاد

الھدیٰ (685)

اللہ تعالیٰ ہی بچانے والی ذات ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ بَنِیۡ اِسۡرَآءِیۡل | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات: 73 , 74

وَاِنۡ کَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَکَ عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَہٗ ٭ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡکَ خَلِیۡلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ لَقَدۡ کِدۡتَّ تَرۡکَنُ اِلَیۡہِمۡ شَیۡئًا قَلِیۡلًا ﴿۷۴﴾

آیت ۷۳ ﴿وَاِنۡ کَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَکَ عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَہٗ ٭ۖ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ تو اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ آپ کو فتنے میں ڈال کر اُس چیز سے ہٹا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور چیز گھڑ کر ہم سے منسوب کر دیں“

یہ آیت اس بے پناہ دباؤ کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس کا سامنا رسول اللہ ﷺ کو قریش کی طرف سے مکہ میں تھا۔ ایک طرف تو قریش مکہ آپ ﷺ پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ آپ ﷺ قرآن کے غیر لچک دار اَحکام میں کچھ نرمی پیدا کریں‘ اس کلام میں کچھ ترمیم کر لیں‘ کچھ اپنی بات منوائیں اور کچھ ہماری مانیں۔

دوسری طرف وہ مسلسل یہ مطالبہ بھی کیے جاتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو نشانی کے طور پر ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں۔ حضور ﷺ کی اپنی خواہش بھی یہی تھی کہ انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے‘ چنانچہ ان دونوں پہلوؤں سے حضور ﷺ کو شدید دباؤ کا سامنا تھا‘ اور اسی دباؤ کا اظہار اس آیت میں نظر آ رہا ہے۔

﴿وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡکَ خَلِیۡلًا ﴿۷۳﴾﴾ ”اور اگر آپؐ ایسا کرتے تب تو یہ لوگ آپؐ کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے۔“

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ اس نوعیت کی مداہنت (compromise) کے عوض وہ لوگ آپؐ کو اپنا بادشاہ بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے۔

آیت ۷۴ ﴿وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ لَقَدۡ کِدۡتَّ تَرۡکَنُ اِلَیۡہِمۡ شَیۡئًا قَلِیۡلًا ﴿۷۴﴾﴾ ”اور اگر ہم آپؐ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو عین ممکن تھا کہ آپؐ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک ہی جاتے۔“

یہ بہت نازک اور اہم مضمون ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں سورۂ یوسف‘ آیت ۲۴ میں اسی طرح فرمایا گیا تھا: ﴿وَلَقَدۡ ہَمَّتۡ بِہٖ ۚ وَہَمَّ بِہَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡہَانَ رَبِّہٖ ؕ﴾ یعنی عزیز مصر کی بیوی نے تو قصد کر ہی لیا تھا‘ اور یوسفؑ بھی قصد کر لیتے اگر وہ اللہ کی برہان نہ دیکھ لیتے۔ یعنی یہ امکان تھا کہ بر بنائے طبع بشری وہ بھی ارادہ کر بیٹھتے‘ مگر اللہ نے انہیں اس سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ حضور ﷺ کے لیے بھی یہاں اسی طرح فرمایا کہ اگر ہم نے آپؐ کے پاؤں جما کر آپ ﷺ کے دل کو اچھی طرح سے مضبوط نہ کر دیا ہوتا تو قریب تھا کہ آپ کسی نہ کسی حد تک ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ بہرحال ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس دَور میں قریش مکہ کی طرف سے کس قدر شدید دباؤ تھا۔

فرمانِ نبویؐ

حضورؐ کا نافرمان بہشت سے محروم

عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رِضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: قَالَ ((کُلُّ اُمَّتِیۡ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ اِلَّا مَنۡ اَبٰی)) قِیۡلَ: وَمَنۡ یَّاۡبٰی یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ ((مَنۡ اَطَاعَنِیۡ دَخَلَ الۡجَنَّۃَ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَقَدۡ اَبٰی)) (رَوَاہُ الۡبُخَارِیُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میرا ہر امتی جنت میں جائے گا، منکر نہیں جائے گا۔“ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ منکر کون ہے؟ یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: ”جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا میرا انکار کیا۔“ (بخاری)

تشریح: جو شخص زندگی کے ہر معاملے میں نبی ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ آپؐ کا اُمتی ہے اور لازماً جنت میں جائے گا اور جو شخص آنجنابؐ کی ہدایات کو نہیں مانتا وہ آپ کا اُمتی نہیں ہے بلکہ منکر ہے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلبِ وجگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

10 تا 16 ربیع الاوّل 1437ھ جلد 24
22 تا 28 دسمبر 2015ء شمارہ 48

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محمد خلیق
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور- 54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور- 54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

ربیع الاول کے مہینہ کو نبی اکرم ﷺ سے خاص نسبت ہے۔ اس کی بارہ تاریخ کو آپؐ کا وصال ہوا اور ایک رائے کے مطابق یہی آپؐ کی ولادت کی تاریخ بھی ہے۔ چنانچہ اِسی نسبت سے بعض اسلامی ممالک بشمول پاکستان اِس تاریخ کو میلاد النبیؐ منایا جاتا ہے لہٰذا اِس ماہ میں سیرت کے حوالہ سے مجالس کا انعقاد ہوتا ہے اور آپؐ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ آپؐ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے حوالہ سے ربیع الاوّل کیا، ربیع الثانی کیا، محرم کیا اور صفر کیا، کون سا ماہ، دن، وقت اور گھڑی ایسی نہیں ہوتی کہ ہم آپؐ پر درود بھیج کر اور آپؐ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کر کے اپنی دنیا اور آخرت نہ سنوار سکیں۔ اگرچہ ایک بزرگ کی زبان سے یہ سن کر قلم تھر تھر کانپ رہا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان کسی بھی زبان میں آپ کی ثنا خوانی کرے آپ کی صفات وکمالات بیان کرے، ممکن نہیں کہ اس کا حق ادا کر سکے۔ کیونکہ شدید خطرہ لاحق ہوگا کہ انسان کی محدود سوچ اور تحریر و تقریر کی محدود صلاحیت سے کہیں کوئی توہین کا پہلو نہ نکل آئے۔ ہماری رائے میں یہ بات بالکل درست ہے اس لیے کہ غالب جیسا زبان دان اور قادر الکلام یہ کہہ کر ہتھیار ڈال دیتا ہے کہ ع

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

غالب اللہ کے رسول محمد ﷺ کی ثنا ہم اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہی ذات پاک محمد ﷺ کے مرتبہ کو جانتی ہے۔

اور کسی شاعر نے ان الفاظ میں بھی حقیقت کا اظہار کرنے کی کوشش کی ہے کہ ع

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

''ہم اپنا منہ ہزار بار بھی مشک اور گلاب سے دھولیں تب بھی آپؐ کا نام لینا از حد بے ادبی ہے (یعنی بے ادبی کا احتمال ہے)''

کس شجر کی شاخ سے بنے گا وہ قلم، کسے اور کیسے میسر آئے گی وہ زبان جو آپؐ کے اوصاف حمیدہ کا احاطہ کر سکے۔ اخلاق کی بلندی، انسانی ہمدردی، فہم وتدبر، حکمت ودانائی اور اپنے مشن سے لگن کا معاملہ یہ ہے کہ طائف میں سخت ترین دن گزار کر اپنی خون آلود جوتیوں کو بمشکل پاؤں سے الگ کرتے ہوئے یہ ردِعمل دینا کہ نہیں نہیں یہ بستی تباہ نہ ہو شاید یہاں اسلام کا کوئی خادم پیدا ہو جائے۔ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا کی مزاج پرسی کو پہنچ جانا کہ آج وہ اپنا عمل کیوں نہ دہرا سکی۔ آپؐ اپنی جنم بھومی جزیرہ نمائے عرب کی اُمّ القریٰ مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے ہیں لیکن عاجزی اور انکساری کا عالم یہ ہے کہ سر کو اتنا جھکا لیتے ہیں کہ وہ اونٹ کی گردن کو چھونا چاہے اور اپنے خون کے پیاسوں اور بدترین دشمنوں کے لیے عام معافی کا اعلان فرماتے ہیں۔ عسکری

فہم وفراست کا معاملہ یہ ہے کہ غزوۂ احد میں اپنے پچاس ساتھیوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم نے اپنی جگہ کو نہیں چھوڑنا، چاہے تم یہ دیکھو کہ ہم سب شہید ہو گئے ہیں اور پرندے ہمیں نوچ رہے ہیں، لیکن غلط فہمی کی بنیاد پر اکثر صحابہ کرامؓ کا اُس جگہ کو چھوڑ جاتے ہیں جس سے فتح شکست میں بدل جاتی ہے۔ دور بینی اور مستقبل کو سمجھنے کی صلاحیت ایسی تھی کہ صلح حدیبیہ میں تمام صحابہ ذہنی طور پر صلح کے لیے تیار نہ تھے لیکن یہ آپؐ کا مدبرانہ فیصلہ تھا اور جسے لوگ جھک کر صلح کرنا کہہ رہے تھے، وہ فتح مبین ثابت ہوئی۔ لہٰذا کسی ہفت روزہ کے دو صفحات کا بیچارہ ادار یہ آپؐ کی کس کس ادا کا احاطہ کرے گا۔ درحقیقت یہ ہے وہ انسانیت، یہ ہے وہ بشریت جس کے آگے فرشتوں کے پاس سجدہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ بہرحال اس بزرگ کے صحیح انتباہ کے باوجود ڈھٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں پانی کا قطرہ مزید ڈالنے کی کوشش اس لیے کرنا چاہیے تاکہ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے پھر یہ کہ اس حوالہ سے تحریر وتقریر کے بعد اس پناہ گاہ میں پناہ حاصل کرنا چاہیے کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہمارے لیے امت مسلمہ کا اصل المیہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہم قرآن مجید کو چومتے چاٹتے ریشمی غلاف میں لپیٹ کر اونچی جگہ پر رکھنا یا زیادہ سے زیادہ معنی جانے بغیر ناظرہ تلاوت کرنے کو اپنا کل دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہم حضور ﷺ کی ثناخوانی اور نعت گوئی سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم اللہ کی کتاب کی ظاہری تکریم تو کریں لیکن اس سے ہدایت حاصل نہ کریں، اسے اپنا امام نہ بنائیں، اس کے اوامر ونواہی کا خود کو پابند نہ بنائیں۔ اس طرح آپؐ کے حضور ہدیۂ نعت تو پیش کریں لیکن سنت رسول پر عمل پیرا نہ ہوں۔ آپؐ کے مشن کو اپنا مشن نہ بنائیں تو کیا ہم اللہ اور رسول ﷺ کو راضی کر سکیں گے؟ بلکہ یہ کہہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے غضب سے بچ سکیں گے اور رسول ﷺ کی شفاعت پا سکیں گے۔

قرآن پاک کی تعظیم وتکریم کرنا اور نعت کی صورت میں اللہ کے رسول ﷺ کے حضور ہدیہ تبریک پیش کرنا یقیناً اور بلاشک وشبہ نیکی اور ثواب کے کام ہیں لیکن اللہ کے طے کردہ اوامر ونواہی کی پابندی نہ کرنے سے یا رسول کریم ﷺ کی سنت کو عملی طور پر نہ اپنانے سے کیا ہمارے قول وفعل میں تضاد سامنے نہیں آئے گا۔ کیا ہم پر منافقت کی چھاپ نہیں لگے گی۔ سورہ صف میں اللہ فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ بات جو کرتے نہیں اور اللہ سخت بیزار ہے اس سے کہ وہ بات کہی جائے جو کی نہ جائے۔'' حقیقت یہ ہے کہ جس پاک ہستی کے بارے میں خالق ومالک ارض سما کا یہ ارشاد ہو وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ٥ وہ انسانوں کی تعریف وتوصیف کا محتاج ہے؟ حقیقت میں ضرورت اس امر کی ہے اور نجات اس میں مضمر ہے کہ ہماری زبان درود وسلام سے تر ہو اور ہم اپنے ہر عمل سے پہلے دیکھیں کہ اللہ کے رسول کی سنت کیا ہے۔ حدیث رسولؐ ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے۔ باقی سب ہیچ ہے۔ آج امت مسلمہ خصوصاً ہم پاکستانی ایسے نظام میں جکڑے گئے ہیں جو اسلام دشمن ہے، جو استحصالی ہے اور استعمار کے ایجنٹوں نے انسانوں کی گردنوں پر پنجے گاڑھے ہوئے ہیں۔

اس باطل نظام نے انسان کے منہ کو انسان کا خون لگا دیا ہے لہٰذا سیاسی سطح پر ظلم ہے۔ جبر ہے، درندگی اور بربریت ہے۔ معاشی سطح پر استحصال اور لوٹ مار ہے۔ معاشرتی سطح پر عدم مساوات ہے۔ عریانی اور بے حیائی ہے۔ مرد وزن کا فرق مٹ چکا ہے۔ جبکہ قرآن نے انسان کو عدل وقسط پر مبنی نظام دیا ہے جسے حضور ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی مدد سے قائم ونافذ کیا وہ آج عالم اسلام میں بھی قریباً متروک ہو چکا ہے۔ اب اگر آج کوئی نعت خواں کسی ظالم وجابر حاکم کے مرمریں محل میں نعت رسولؐ پیش کرے اور داد پائے تو اگرچہ ہم فتویٰ دینے کی پوزیشن میں نہیں لیکن عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ ہم سمجھیں کہ یہ دین کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ ہمارا اولین فریضہ یہ ہے کہ ہم عدل وقسط پر مبنی نظام حق کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں اور آپؐ کے اُس مشن کی عالمی سطح پر تکمیل کریں جس کی خاطر آپؐ مکہ کی گلیوں میں کانٹوں پر چلے، طائف میں سنگ باری برداشت کی، حرم پاک میں اونٹ کی اوجھڑی تلے دبے، احد میں دندان مبارک شہید کروائے اور غزوۂ احزاب کے موقع پر دو دو پتھر پیٹ پر باندھے۔ آیئے سیرت مبارکہ کے اس حصہ پر غور کریں اور سنت رسول کو اپنا کر اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم کریں اور دنیا کو جنت نظیر بنائیں۔ تب ہماری زبانوں کو یہ ترانہ زیب دے گا۔

سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی

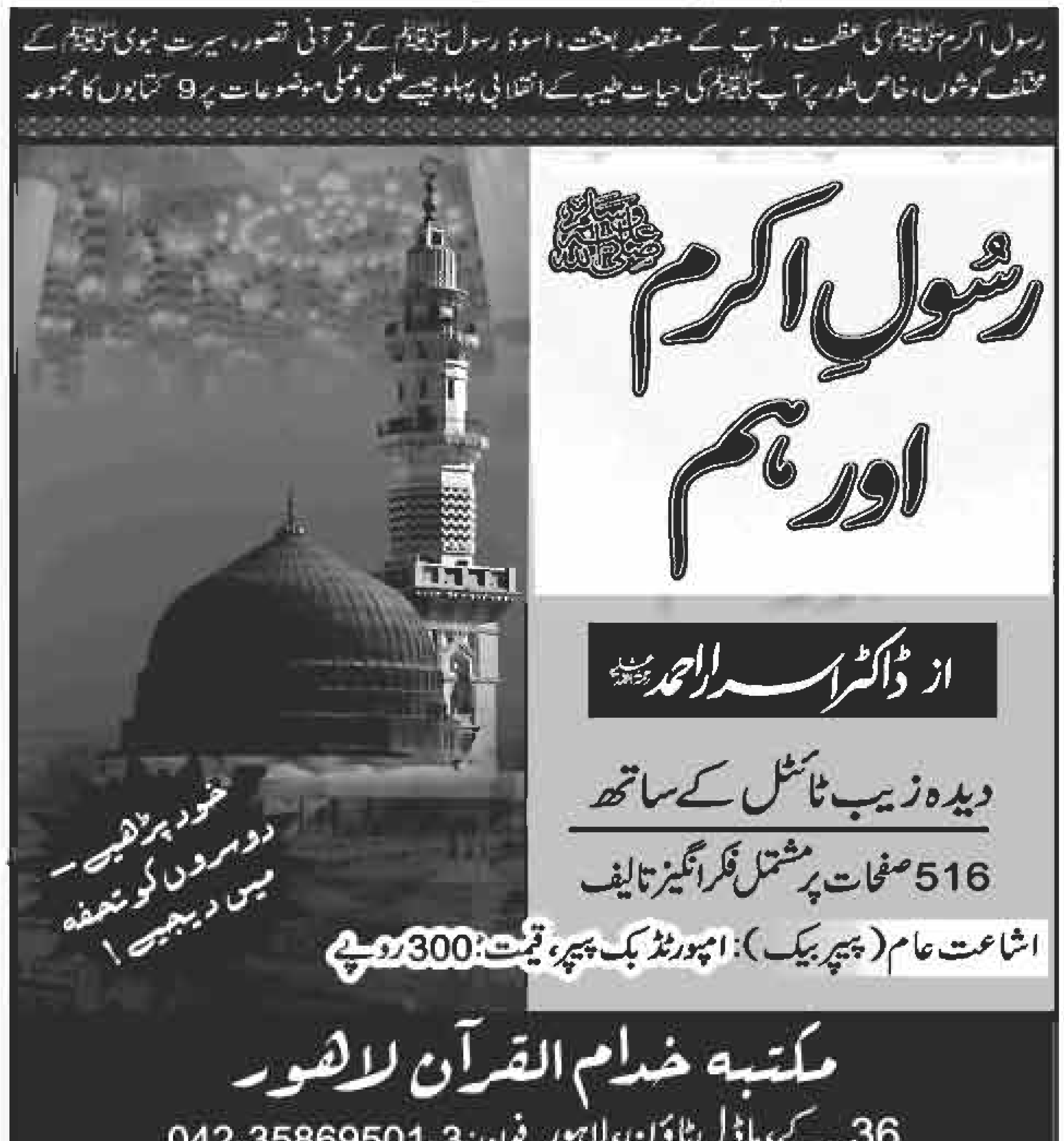

قوم کی مسلسل زیادتیوں اور ایذا رسانیوں کے پس منظر میں

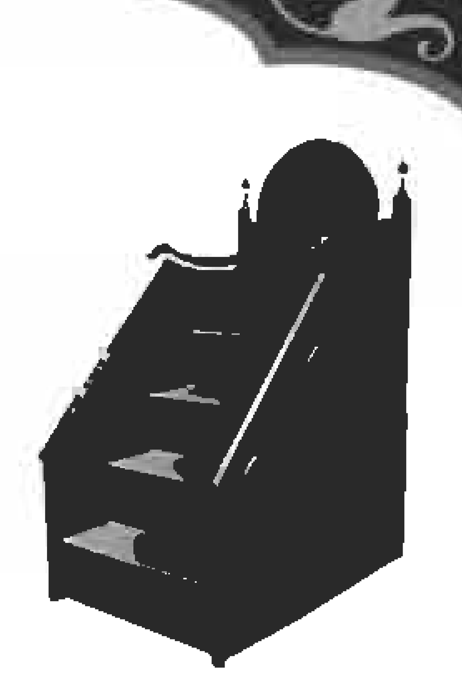

بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید ﷾ کے 04 دسمبر 2015ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

مرتب: حافظ محمد زاہد

سورۂ نوح کے پہلے رکوع کا مطالعہ ہم الحمد للہ پچھلی مرتبہ مکمل کر چکے ہیں اور آج ہم نے دوسرے رکوع کا مطالعہ کرنا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم پر آنے والے عذاب کی تفصیلات کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقامات' مثلاً سورۃ الاعراف' سورۃ ہود' سورۃ المؤمنون' سورۃ الشعراء' سورۃ الانبیاء' سورۃ العنکبوت، سورۃ القمر اور سورۃ الصافات میں بڑی تفصیل سے آیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد کا ہے۔ ان دونوں کے درمیان چند نبی تو آئے ہیں، لیکن حضرت آدم کے بعد پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور یہ اس اعتبار سے منفرد ہیں کہ ان کی دعوت کے دورانیے کو تعین کے ساتھ قرآن نے بیان کیا ہے: ﴿فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا﴾ (العنکبوت 14) ''پس وہ رہا ان کے مابین پچاس کم ایک ہزار برس۔'' اس بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ ساڑھے نو سو برس ان کی عمر تھی اور عام طور پر نبوت و رسالت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوتی تھی تو اس اعتبار سے تقریباً نو سو دس برس انہوں نے دعوت کا کام کیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ساڑھے نو سو برس ان کی دعوت کے ہیں اور یہ ان کی عمر کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال ان دونوں آراء سے کوئی بڑا فرق واقع نہیں ہوتا۔

اس حوالے سے ایک ضمنی بات میں یہ بھی عرض کر دوں کہ تورات میں رسولوں اور نبیوں کی عمروں کا بھی تذکرہ ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تورات میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ساڑھے نو سو برس بیان ہوئی ہے۔ اسی میں ایک راہنمائی یہ مل گئی کہ بعض چیزیں تورات میں ایسی موجود ہیں جن میں تحریف نہیں ہوئی۔ تحریف انہوں نے ان احکام میں کی ہے جو انہیں پسند نہیں تھے یا انہوں نے تحریف کی ہے انبیاء اور رسولوں کے کردار کو داغدار کرنے کے لیے۔ مثلاً (معاذ اللہ) حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں تورات میں جو الفاظ آئے ہیں' وہ تو میں زبان پر بھی نہیں لا سکتا۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی پیشین گوئیوں کو کھرچ کھرچ کے نکالا گیا ہے۔ لیکن بعض چیزیں تورات میں ابھی بھی ایسی ہیں جو تحریف سے پاک ہیں' جیسے تورات میں حضرت نوح علیہ السلام کی جو عمر بتائی گئی ہے وہ صحیح ہے۔

یہاں ایک اور چیز بھی عجیب سی محسوس ہوتی ہے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پہلے تک کے انبیاء اور رسولوں کی عمریں ایک ہزار برس کے لگ بھگ تھیں اور طوفانِ نوح کے بعد کے نبیوں اور رسولوں کی عمریں یک دم نیچے آ کر چار سو اور ساڑھے چار سو برس ہو گئیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں آ کر یہ معاملہ سو ڈیڑھ سو تک پہنچ گیا۔ اب یہ ایک عجیب معمہ ہے اور فزیالوجی کے ماہرین کا کام ہے کہ وہ اس کے بارے میں تحقیق کریں کہ آخر یہ کیا معاملہ تھا کہ نوعِ انسانی کی عمریں یک دم نیچے کیوں آ گئیں۔

بہر حال یہ ایک علمی نکتہ تھا جو میں نے آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اب ہم سورۂ نوح کے دوسرے رکوع کا مطالعہ کرتے ہیں' جو درحقیقت قوم کی مسلسل ایذا رسانیوں اور زیادتیوں کے پس منظر میں بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد پر مشتمل ہے۔ فرمایا:

﴿قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ﴾

''نوحؑ نے کہا: پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی'،''

پہلے رکوع میں تفصیل سے حضرت نوح علیہ السلام نے بیان کر دیا کہ میں نے ہر طریقے سے ان کو مسلسل دعوت دی اور میں نے اتمام حجت کر دیا' لیکن میری دعوت کے نتیجے میں ان کے اندر انکار اور ضد بڑھتی چلی گئی۔

حضرت نوح علیہ السلام چونکہ پہلے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ایک سنت کا آغاز یہاں سے ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ رسول کی طرف سے اتمام حجت کے بعد بھی قوم اگر انکار پر اڑی رہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس نافرمان قوم کو معاف نہیں کرتا اور دنیا میں ان پر عذاب ہلاکت بھیج دیتا ہے۔ اس لیے کہ رسول' اللہ کا نمائندہ اور معصوم عن الخطاء ہوتا ہے۔ پوری قوم دیکھ چکی ہوتی ہے کہ اُن کی پوری زندگی' یعنی بچپن سے لے کر آخری دم تک ان کا دامن کردار ہر اعتبار سے بے داغ ہے۔ دل بھی ان کے سچ اور حق ہونے کی گواہی دے رہا ہوتا ہے' لیکن صرف ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قوم انکار پر اڑی ہوئی ہے تو ایسی صورت حال میں منکرین کے لیے دنیا میں کوئی رعایت نہیں برتی جاتی اور وہ عذاب استیصال کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

زیر مطالعہ آیت میں حضرت نوح علیہ السلام قوم سے بیزار ہو کر اللہ تعالیٰ سے فرما رہے ہیں کہ ایک تو انہوں نے میری نافرمانی کی اور دوسرا یہ کہ:

﴿وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾﴾

''اور انہوں نے ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے ان کے لیے سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں بڑھایا۔''

اس سے مراد سردارانِ قوم اور سرمایہ دار طبقہ ہے۔ انہیں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر یہ دین آ گیا تو پھر ہماری اجارہ داری بھی ختم ہو جائے گی اور ہم جو سارے مال

واسباب پر سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں' تو وہ بھی ہم سے چھن جائے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ جب اللہ کا دین اور نظام عدل اجتماعی قائم ہوگا تو پھر سب کو حصہ ملے گا اور پھر سرداروں کی اجارہ داری ختم ہوجائے گی۔ الغرض قوم کے وہ سردار جنہیں اللہ نے دنیا میں مال بھی دیا' اولاد بھی دی اور دنیا میں عزت کے جو سارے ذرائع ہیں' وہ بھی انہیں عطا کیے' لیکن یہ مال واولاد ہی ان کے لیے قبولِ حق میں رکاوٹ بن گیا۔ اب وہ نبی کی بات خود بھی نہیں مان رہے اور قوم کو بھی گمراہ کر رہے ہیں اور قوم کو گمراہ کرنے کے لیے مختلف طریقے اور تدابیر بھی اختیار کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے فرمایا:

﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾﴾

''اور ان لوگوں نے ایک چال بھی چلی بہت بڑی چال۔''

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو غیر موثر بنانے اور اپنی قوم کو ورغلانے کے حوالے سے انہوں نے انتہا کر دی۔ بڑی بڑی چالیں چلیں اور بڑی بڑی تدبیریں اختیار کیں۔ آج بھی ہمارے ہاں بعض نام نہاد مسلمان سیکولر سوچ رکھتے ہیں۔ سیکولر سوچ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو بحیثیت نظام زندگی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اسلام نے جو نظام عدل اجتماعی دیا ہے' اس کو قبول کرنے اور نافذ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پھر اس نظام کے نفاذ کی سب سے بڑی رکاوٹ بھی یہی لوگ ہوتے ہیں اور قوم بھی اندھی بہری ہو کر ان کے پیچھے چلتی ہے۔ یہ اس وقت بھی ہو رہا تھا اور آج بھی ہو رہا ہے' الا ماشاء اللہ۔

سردارانِ قوم نے اپنی قوم کو گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہنے کے لیے مذہبی اور نسلی عصبیت کا سہارا لے کر عوام کو حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا تھا:

﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾﴾

''اور انہوں نے کہا کہ تم اپنے ان معبودوں کو ہرگز چھوڑ نہ بیٹھنا۔ ہرگز مت چھوڑنا وَد کو' سواع کو' یغوث کو' یعوق کو اور نسر کو۔''

یہ تو ان کے بتوں کے نام تھے' جبکہ ہم نے مغرب سے درآمد شدہ جمہوری نظام کو معبود بنایا ہوا ہے اور ہماری اعلیٰ عدلیہ بھی یہ کہہ رہی ہے کہ ہمارے دستور کی سب سے بنیادی اور ناقابل تغیر چیزیں جمہوریت' پارلیمانی نظام اور عدلیہ کی آزادی ہے۔ آج ہماری بت پرستی یہ ہے کہ ہم اس مشرکانہ نظام کو مضبوطی سے تھامے بیٹھے ہیں اور اسی نظام سے وفاداری اختیار کیے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس جمہوری نظام میں حکمرانی اللہ کی نہیں' عوامی نمائندوں کی ہوتی ہے۔ پھر اس میں ایک خاص سرمایہ دار طبقہ عوام کو بیوقوف بنا کر اوپر آ کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنی مرضی کے قوانین بناتا ہے۔ یہ ہیں آج کے بڑے بڑے بت۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اس نظام کو مت چھیڑو' خلافت کے لفظ ہی کو گالی بنا دو کہ کہیں اسلامی نظام آ نہ جائے۔ قوم کے لیڈر یہی کچھ سکھاتے ہیں قوم کو اور قوم بھی خواہشات کی پجاری اور اندھی بہری ہو کر انہی کے پیچھے چلتی ہے۔

اگلی آیات میں موجود حضرت نوح علیہ السلام کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر آپؑ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور آپؑ قوم سے انتہائی بیزاری کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں:

﴿وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾﴾

''اور انہوں نے تو بہتوں کو بہکا دیا ہے۔ اور (اے اللہ!) اب تو ان ظالموں کے لیے سوائے گمراہی کے اور کسی چیز میں اضافہ نہ فرما!''

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک قوم کو سیدھے راستے کی طرف ہر طریقے سے دعوت دی' مگر وہی کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ! اب ان کو ہدایت کی توفیق نہ ملے اور اب

پریس ریلیز 18 دسمبر 2015ء

چونتیس (34) اسلامی ممالک کا فوجی اتحاد خوش آئند ہے

مسلم اتحاد اُس وقت تک کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک یہ مسلمان ممالک مغربی قوتوں کے شکنجے سے نجات حاصل نہیں کر لیتے

نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئی ہے کہ قیامت سے پہلے مسلمانوں کی عالمی حکومت قائم ہو گی

حافظ عاکف سعید

چونتیس (34) اسلامی ممالک کا فوجی اتحاد خوش آئند ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ اس سے پہلے OIC کے نام سے اسلامی ممالک کی تنظیم معرض وجود میں آئی تھی لیکن وہ مکمل طور پر غیر موثر رہی۔ اُنہوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتحاد بھی کسی ہوم ورک کے بغیر بنایا گیا ہے اور اس کی تشکیل میں ممبر ممالک کو پوری طرح اعتماد میں بھی نہیں لیا گیا۔ اُنہوں نے کہا کہ حقیقت میں مسلم ممالک کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ امت مسلمہ کو ایک وحدت کی صورت میں ہونا چاہیے جیسے بنی اُمیہ اور بنو عباس کے دور میں یہ وحدت قائم تھی۔ اُنہوں نے کہا کہ مسلم اتحاد اُس وقت تک کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک یہ مسلمان ممالک مغربی قوتوں کے شکنجے سے نجات حاصل نہیں کر لیتے فی الحال مذکورہ اسلامی اتحاد تو محض مجذوب کی ایک بڑ لگتی ہے۔ اُنہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ایسا وقت لائے کہ نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کا کوئی اتحاد بنے بلکہ امت مسلمہ ایک بار پھر وحدت کی صورت اختیار کر لے۔ اُنہوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئی ہے کہ قیامت سے پہلے مسلمانوں کی عالمی حکومت قائم ہو گی۔ اُنہوں نے کہا کہ عالم اسلام میں اگر اسلامی نظام نافذ ہو جائے اور اللہ اور رسول کے فرمودات کی بالادستی قائم کر دی جائے تو عالمی خلافت زیادہ دور کی بات نہیں ہے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

ان کے اندر اگر کوئی اضافہ ہونا ہے تو گمراہی کا اضافہ ہو، تاکہ یہ جہنم میں جائیں اور دنیا میں بھی عذاب کا مزہ چکھیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے اتمام حجت ہو جانے کے بعد قوم پر سیلاب کا عذاب آیا اور سب غرق کر دیے گئے:

﴿مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿٢٥﴾﴾

’’اپنی خطاؤں کی وجہ سے ہی وہ غرق کیے گئے اور داخل کر دیے گئے آگ میں تو نہ پایا انہوں نے اپنے لیے اللہ کے مقابل کوئی مددگار۔‘‘

سورۂ ہود اور سورۃ المؤمنون میں اس بارے میں بڑی تفصیل آئی ہے۔ جب اللہ کی طرف سے قوم پر عذاب ہلاکت کا آخری فیصلہ ہو گیا تو اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔ چونکہ اس علاقہ کے آس پاس کوئی سمندر نہیں تھا تو قوم کے سردار اور شرارتی لوگ مذاق اڑاتے تھے اور طرح طرح کے فقرے چست کرتے تھے۔ ان فقروں کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام ان سے فرماتے: ﴿اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿٣٨﴾﴾ (ہود) ’’اگر (آج) تم ہم سے تمسخر کر رہے ہو تو (وہ وقت قریب آنے والا ہے کہ) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے کہ اب تم تمسخر کر رہے ہو‘‘۔

بہرحال اللہ کا حکم آن پہنچا اور آسمان سے مسلسل موسلا دار بارشیں شروع ہو گئیں اور زمین نے بھی اپنے چشمے کھول دیے (تفصیل کے لیے سورۃ المؤمنون اور سورۃ القمر ملاحظہ ہو) تو اس طرح یہ ایک بہت بڑے سیلاب کی صورت بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے اہل ایمان ساتھیوں (جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ 80 تھی) اور اپنے صاحب ایمان اہل وعیال کے ساتھ اس میں سوار ہو جاؤ اور جتنے بھی جانور اور پرندے ہیں‘ ان کا ایک ایک جوڑا بھی کشتی میں سوار کر لو۔ ان سب کو کشتی میں سوار کرا لیا گیا‘ لیکن حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور ایک بیٹا صاحب ایمان نہیں تھا، لہٰذا وہ اس کشتی میں آپ کے ساتھ سوار نہ ہو سکے۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پانی کے قریب دیکھا تو اس سے فرمایا: ﴿يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٢﴾﴾ (ہود) ’’اے میرے بیٹے آؤ ہمارے ساتھ (کشتی میں) سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ مت رہو‘‘ لیکن وہ بیٹا اپنے کفر اور انکار پر اڑا رہا اور حضرت نوح علیہ السلام کی نگاہوں کے سامنے وہ بھی غرق ہو گیا۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے تھوڑی سی فریاد کی جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب بھی سخت انداز سے آیا: ﴿قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۫ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٤٦﴾﴾ ’’اللہ نے فرمایا کہ اے نوحؑ! وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے‘ اس کے اعمال غیر صالح ہیں۔ تو آپؑ مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کریں جس کے بارے میں آپؑ کو علم نہیں۔ میں آپؑ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپؑ جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنیں‘‘۔ یعنی وہ نسلی اعتبار سے تو تمہارے اہل میں سے تھا‘ لیکن نظریہ اور ایمان کے اعتبار سے تمہارے اہل میں سے نہیں تھا‘ لہٰذا اس کے بارے میں مجھ سے بات نہ کریں۔ یہ بہت سخت انداز تھا تو اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے فوراً استغفار کیا: ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٤٧﴾﴾ ’’نوحؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جس کے بارے میں میرے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ اگر تو نے میری بخشش نہ کی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔‘‘

بہرحال قوم نوح پر جو سیلاب آیا تو اس میں ایک بھی متنفس باقی نہیں بچا۔ کوئی بچہ، کوئی بوڑھا، کوئی جوان، کوئی عورت‘ کوئی مرد، کوئی بھی نہیں بچا اور سب کے سب غرق کر دیے گئے سوائے ان کے جو کشتی میں سوار تھے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد پانی تھما ہے تو وہ کشتی جودی پہاڑ پر جا کر ٹک گئی۔ اب گویا از سر نو انسانیت کے قافلہ نے اپنا سفر شروع کیا ہے۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے نوع انسانی کی نسل آگے چلی ہے۔

زیر مطالعہ آیت میں دو باتیں فرمائی گئیں: (1) قوم کو غرق کر دیا گیا‘ اور (2) انہیں جہنم میں داخل کر دیا گیا...... اگرچہ جہنم میں بالفعل داخلہ نہیں ہوا لیکن یہ اتنا یقینی ہے کہ گویا داخل کر دیے گئے ہیں...... یہ دو سزائیں ملتی ہیں اس قوم کو جو اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد جتنے بھی رسول آئے‘ رسولوں نے ساری زندگی دعوت دی اور جب قوم نہیں مانی اور رسولوں کو قتل کرنے پر تل گئی تو بالآخر اللہ نے اس پوری قوم کو ہلاک کیا۔ قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ سب سے پہلی قوم جو اس طریقے سے ہلاک کی گئی ہے، وہ قوم نوح ہے۔

اگلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد کا سخت ترین حصہ آ رہا ہے:

﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾﴾

’’اور نوحؑ نے کہا: اے میرے پروردگار! اب تو اس زمین پر کافروں کا بستا ہوا ایک گھر بھی مت چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسلوں میں بھی اب فاجر اور کافر لوگوں کے سوا اور کوئی پیدا نہیں ہوگا۔‘‘

یعنی ان لوگوں کی فطرتیں مسخ ہو چکی ہیں جس کی وجہ سے ان کی آئندہ نسلوں سے بھی کسی خیر کی توقع نہیں ہے‘ اس لیے ان کا نیست ونابود ہو جانا ہی بہتر ہے۔ انسانی تاریخ میں اللہ کے کسی بندے نے شاید ہی ایسی سخت دعا مانگی ہو‘ لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک جس طرح صبر واستقامت کے ساتھ اپنی قوم کی زیادتیوں کو برداشت کیا‘ اس پس منظر میں آپؑ کا یہ غصہ حق بجانب تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی فریاد کا اختتام ’’دعائے استغفار‘‘ پر کیا‘ فرمایا:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾﴾

’’پروردگار! مغفرت فرما دے میری‘ اور میرے والدین کی‘ اور جو کوئی بھی میرے گھر میں داخل ہو جائے ایمان کے ساتھ اس کی بھی‘ اور تمام مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی بھی۔ اور ان ظالموں کے لیے تو اب کسی چیز میں اضافہ مت کر سوائے تباہی اور بربادی کے۔‘‘

یہ دعا اس لحاظ سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں اگلے اور پچھلے زمانوں کے تمام اہل ایمان شامل ہو گئے ہیں!!

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم ○○

☆☆☆

حکایتِ غمِ آرزو

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

پاکستان کے لیے جو نیا نظریاتی مشروب تجویز کیا گیا ہے ہمارے بڑوں کی امریکہ یاترا پر، وہ لبرل ازم ہے۔یعنی اسلام سے فراغت۔تازہ کر لیجیے لبرل ازم کی اصلیت۔ سترہویں صدی میں برطانوی فلسفی جان لاک نے اسے باقاعدہ ایک فلسفے کی صورت دی اور منظم طور پر متعارف کروادیا۔یہ عیسائیت کے سخت خلاف تھا۔اس نے مذہب سے آزادی کا فلسفہ پیش کیا۔یورپ میں یہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔انقلاب فرانس میں بھی والٹیر اور روسو کے عیسائی ہونے کے باوجود فکری اٹھان لبرل ازم ہی کی تھی۔بعداز انقلاب قانون سازی میں مذہبی اقدار سے آزادی کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا۔

پاکستان کے حوالے سے مذہبی شناخت کی سخت جانی امریکہ کے لیے گلے کی ہڈی بنی ہوئی ہے۔وزیرستان تو فتح ہو گیا لیکن یہ مرحلہ کیوں کر طے ہو۔سو اس کے لیے نواز شریف امریکہ سے لبرل ازم کی پٹی پڑھ کر آئے ہیں۔ پاکستان میں فوراً ہی 'تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں' والے شاعر کا دن آن ٹپکا۔امتحان کے اس پہلے سوال سے عہدہ برآ ہونے کو ایک تو چھٹی منسوخ کی گئی۔دوسرا مقامی دانشوروں کے ذمے اقبال پر درجہ بہ درجہ حسبِ توفیق نئے اسباق قوم کو پڑھانا لگایا گیا نیا پاکستان، نیا اقبال، نیا اسلام!مدارس، علماء، قرآن سنت کے علاوہ جو لبرل ازم کے راستے کی رُکاوٹ ہے وہ یہ انقلابی شاعر ہے جو(ان کی بدنصیبی سے) مصور پاکستان بھی ہے۔کچھ کام ٹیلی ویژن پر ایک صاحب نے کیا اور اتنے بھونڈے انداز میں کیا کہ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی، کی کیفیت میں بس بولا کئے۔آفتاب پہ تھوکا منہ پر آیا کے مصداق۔ایک اور حضرت کو اقبال کے گراں بہا فکری سرمایے اور زندگی کے بہترین حصوں سے تو کچھ ہاتھ نہ آیا۔وہ نجانے کہاں سے لبرل ازم اٹھا لائے جس کا سراغ ان کے آخری دور (جو ان کی فکری پختگی کی معراج کی شاعری ہے) سے کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔اقبال کے بچوں کی آیا جوان کی والدہ کے انتقال کے بعد رکھی گئی جرمن خاتون تھی، ڈورس۔ وہ گویا نظریہ َپاکستان کی بھی انا قرار دے دی گئیں۔اقبال کا شیو کا سامان لبرل ازم کا ثبوت قرار پایا۔ راگ الاپ کی سوجھ بوجھ یوں ثابت ہوئی کہ اپنا کلام ترنم سے پڑھتے تھے۔انہوں نے لکھا کہ آنٹی ڈورس مذہب اور سماج کو الگ الگ حیثیت دیتی تھیں اور وقت آہستہ آہستہ اس سچائی کو مانتا جارہا ہے۔لبرل ازم کا فلسفہ جگہ بنائے گا!

اقبال نے شکوہ کیا تھا:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

یہاں فکر اقبال بدل ڈالی۔ ٹیلی ویژنی حضرت اور ان کے شہ بالے تو اقبال ہی سے انکاری ہو گئے یہ کہہ کر کہ علامہ اقبال جیسے لوگوں نے مسلمانوں کی زندگی برباد کی ہے۔یہ کوئی ہیرو نہیں۔ہم نے خواہ مخواہ سر چڑھایا ہوا ہے۔میں تو انہیں شاعرِ مشرق بھی نہیں کہتا۔کوئی بات ہے بھلا۔لڑادے ممولے کو شہباز سے!(وہ تو اتنے ناراض تھے کہ شاید شہباز شریف سے لڑانے کو کہا تھا) یہ درست فرمایا کہ وہ شاعر مشرق نہ تھے۔شاعرِ شرق وغرب تھے جب ہی افغانستان، ایران میں بہت مقبول اور عربی، ترکی، انگریزی، جرمن، روسی زبان تک میں تراجم ہاتھوں ہاتھ لیے گئے۔ چراغ تلے اندھیرا ہی رہا!ان صاحب کی اقبال ناشناسی کی تلافی فاضل کالم نگار نے یوں کر دی کہ اقبال کی پٹاری سے لبرل ازم نکال لائے۔جس طرح کسی زمانے میں پولیس چرس ڈال کر نکال لاتی تھی یا اب جہادی لٹریچر ڈال کر نکالتی ہے۔کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا۔کلیاتِ اقبال پر نگاہ دوڑائی۔ان کی زندگی کے خوبصورت دریچے بھی کئی کھلے۔سفارت کی پیش کش بیوی کے پردے کی خاطر ٹھکرا دی۔اشکوں سے بھیگا قرآن۔ساتھ ہی ہدایت:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار!

مگر یہاں تو جدّت، جدیدیت کے جرعے پیئے لبرل ازم کے خمار میں ہے۔اقبال کہنے لگے:

لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

اور ایک خطبے میں فرمایا: مجھے رہ رہ کر یہ رنج دہ تجربہ ہوا ہے کہ مسلمان طالب علم جو اپنی قوم کے عمرانی، اخلاقی اور سیاسی تصورات سے نابلد ہے (قوم مسلم مراد ہے)، روحانی طور پر بمنزلہ ایک بے جان لاش کے ہے۔اور اگر موجودہ صورت حال بیس سال تک اور قائم رہی تو وہ اسلامی روح جو قدیم اسلامی تہذیب کے چند علم برداروں کے فرسودہ قالب میں ابھی تک زندہ ہے، ہماری جماعت کے جسم سے بالکل ہی نکل جائے گی۔وہ لوگ جنہوں نے تعلیم کا یہ اصل الاصول قائم کیا تھا کہ ہر مسلمان بچے کی تعلیم کا آغاز کلام مجید سے ہونا چاہیے، وہ ہمارے مقابلے میں ہماری قوم کی ماہیت ونوعیت سے بہت زیادہ واقف تھے۔ نیز یہ بھی کہ اسلامی مذہبی مسائل کے فہم کے لیے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے۔جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تعلیم کا تمام تر غیر دینی ہو جانا اس مصیبت کا باعث ہوا ہے۔(اقبال اور قرآن: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان) اس وقت انہیں تشویش تھی اور آج؟!! کالم نگار نے اقبال کی زندگی کے گہرے دینی رنگ اور مزاج سے صرف نظر کرتے ہوئے بچوں کی تربیت میں جو ڈورس والا تسامح ہو گیا (جس کے نتائج ظاہر بھی ہو گئے) اس کے گرد لبرل ازم کا افسانہ تشکیل دے ڈالا۔اقبال اسلام کے لیے وارفتگی، عمیق فہم، ذوق وشوق، درد وسوز سے لبالب پر تھے۔تاہم وہ دینی نمونہ تو نہ تھے۔نہ ہی انہیں اس کا دعویٰ تھا۔وہ تو کہتے ہیں:

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری

اور آج والوں سے کہتے ہیں:

علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
ضمیر پاک و نگاہ بلند و مستیٔ شوق
نہ مال و دولتِ قاروں نہ فکرِ افلاطوں!

فرنگی سے جو لبرل ازم لنڈے بازار سے اٹھا لائے ہیں تو اس پر وہ کہتے ہیں:

برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے
فرنگ دل کی خرابی خرد کی معموری!

اور یہ کہ۔۔۔ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

کلام اقبال کو چھو کر بھی گزرنے والا ایسی غلطی نہیں کر سکتا کہ وہ انہیں لبرل کہہ گزرے!ایک نہایت خوبصورت غزل نما نظم بانگ درا میں ''میں اور تو'' کے عنوان سے ہے جو اس پوری بحث کو سمیٹ دیتی ہے۔اقبال اپنی کیفیت کا عام

افرادِ ملت کے فکر و عمل سے موازنہ کرتے ہیں۔ ملت کی پست حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی کوششوں کو بے اثر سمجھتے ہیں:

نہ سلیقہ مجھ میں کلیمؑ کا ،نہ قرینہ تجھ میں خلیلؑ کا
میں ہلاک جادوئے سامری، تو قتیلِ شیوۂ آذری

یعنی گرچہ کلام کا کسی درجے میں فیضان تو مجھے حاصل ہوا ہے مگر کلیم اللہ (موسیٰؑ) کو اللہ سے جو شرف ہم کلامی اور باطل شکن، انقلاب آفریں جذبہ وقوت حاصل ہوئی وہ مجھ میں کہاں! میں ابھی تک زندگی کی نمود بے بود پر مٹا ہوا ہوں اور عصر حاضر کے سحر کا اثر مجھ میں موجود ہے۔ دوسری طرف عام مسلمان بت پرست ہیں۔ ملتِ ابراہیمؑ کی پیروی کا دعویٰ تو ہے مگر عمل میں معبودانِ باطل اور ہوائے نفس کی پرستش ہے۔

میں نوائے سوختہ درگلو، تو پریدہ رنگ رمیدہ بو
میں حکایتِ غم آرزو، تو حدیثِ ماتم دلبری!

میری خامی سے مرے کلام کا حال یہ ہے کہ نوا گلے ہی میں راکھ ہو جاتی ہے اور تیری زندگی میں کوئی جمال نظر نہیں آتا۔ تری ظاہری باطنی کیفیت برگ خزاں رسیدہ کی طرح رنگ و بو سے محروم ہے۔

مرا عیش غم، مرا شہد سم، مری بود ہم نفس عدم
ترا دل حرم، گرو عجم ،ترا دیں خریدہ کافری!

اپنی اور تیری کیفیت دیکھ کر میرا عیش غم میں اور شیرینی حیات زہر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ تیرے دل کو خدا نے حرم اور اپنا مسکن بنایا تھا لیکن تو نے اسے غیر اسلامی شعائر کے ہاتھ گروی رکھ دیا۔ اب تو جسے دین کہتا ہے (سماج الگ اور مذہب الگ) وہ کافروں کی دکان سے خریدا ہوا مال ہے۔ پھر عمل کے راستے پر لانے کو کہتے ہیں (فارسی اشعار میں)۔ شریعت کے علم کے علاوہ اللہ تک رسائی کسی اور طرح ہو نہیں سکتی۔ اسی طرح سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنا ہے تو پہلے محبت رسول ﷺ سے دل میں گرمی پیدا کرو اور اتباعِ رسول ﷺ کو اپنا شعار بناؤ، (اسرار و رموز) سو یہ ہے فکر اقبال۔ اسے مسخ نہ کیجئے معاف ہی رکھیئے۔ غم تو یہ ہے کہ اگر براستہ میٹرک، ایف اے تعلیمی منزلیں سر کرنے والوں کی فکر و فہم میں اتنی کمی آ چکی ہے تو اب اگلی رومن اردو نسل کا کیا بنے گا؟ فکر اقبال زندہ رکھنے کا اہتمام اقبال کے فکری وارثوں پر قرض ہے۔ یہ حیات بخش، انقلاب آفرین پیغام بقائے پاکستان (بحیثیت امتِ مسلمہ کے نظریاتی قلعے) کے لیے اشد ضروری ہے۔ لبرل ازم والوں کو سمجھ لینا ہوگا کہ یہاں یہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ دو دفعہ اقبال کا دن سال میں آئے گا اور دو دفعہ بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کا۔ (پیدائش و وفات) ایک کا سارا کلام اور فکر و فن۔ دوسرے کی 100 عدد اسلام سے لبالب بھری تقاریر کہاں تک چھپائیں گے؟ دونوں کی ٹائیاں سوٹ دکھاتے تھک گئے لیکن اندر بھرے ٹھیٹھ، آخیر عمر کے مسلمان اور عاشقانِ اسلام ان دو بابوں کو کہاں لے جائیں؟

ساتھ اس سے بڑھ کر مسئلہ یہ کہ پہلے ذی الحج آ گیا۔ حج، قربانی، خلیلؑ اللہ کی ایمان افروز کہانی لیے۔ پھر محرم میں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت بھی ہمراہ تھی۔ اب ربیع الاول آ گیا۔ پورا مہینہ شانِ رسالت مآب ﷺ کی بات ہوگی۔ اگست میں قیام پاکستان اور اس کے شہداء کی کہانی۔ دسمبر میں 16 دسمبر! پاکستان کے دولخت ہونے کی تلخ یادیں۔ نظریۂ پاکستان کمزور پڑنے اور مسلم فوج کے ہتھیار ڈالنے کی کہانی غیرت کو جگاتی ہے! مئی میں یوم تکبیر ایٹم بم کی گھن گرج لیے کفر کے سینے پر مونگ دلتا ہے۔ لبرل ازم پاؤں کہاں جمائے؟ ٹیلی ویژن کی سکرین پر ناچ ناچ تھک گیا تو چلا اقبال کے لتے لینے۔ لیکن مملکت خداداد پاکستان میں یہ ممکن نہیں۔ ہزاروں کو اسلام کی پاداش میں بھینٹ چڑھا کر بھی نہیں!

تذکرۂ سیرت

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝

”بے شک آپ (ﷺ) اخلاق کے بڑے درجے پر ہیں“

عبدالرشید عراقی

اسلام اخلاق حسنہ کو ایمان کی پہچان اور اس کے نتائج و ثمرات بتاتا ہے۔ جس مسلمان کے اخلاق جتنے اچھے ہوں، اتنا ہی اس کا ایمان مضبوط اور اس کی عبادت مقبول ہوگی۔ لیکن اگر کوئی شخص ایمان کا تو دعویدار ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا بھی اہتمام رکھتا ہو مگر اخلاق کی دولت سے محروم ہو اور اہل و عیال، اعزہ و اقربا، دوست و احباب و پڑوسی، اہل وطن اور ساری انسانی برادری حتیٰ کہ جانوروں تک سے جو اس کا تعلق ہے اُسے بحسن و خوبی انجام نہ دیتا ہو۔ تو یہ اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ اس کا ایمان، اس کی زبان سے اُتر کر اس کے نفس کی گہرائیوں تک نہیں پہنچا ہے۔ گویا کہ ہمارے اخلاق ہماری روحانی حالت کی کسوٹی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اخلاق کے سب سے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ آپ ﷺ نرم مزاج، خوش اخلاق، خوش اطوار، خوش کردار، خوش گفتار اور شریں زبان تھے۔ آپ ﷺ جب کسی سے محو کلام ہوتے تھے تو بڑے نرم لہجے میں گفتگو فرماتے اور کسی کی حوصلہ شکنی نہ فرماتے۔

”خلق عظیم“ سے مُرادِ دینِ اسلام یا قرآن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس خلق پر ہیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرآن یا دینِ اسلام میں دیا ہے یا اس سے مراد وہ تہذیب و شائستگی، نرمی و شفقت، امانت و دیانت، صداقت و عدالت، ذکاوت و لطافت، علم و کرم، مروّت و ہمدردی اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں۔ جن میں آپ ﷺ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی اور وسعت آئی۔ اس لیے جب حضرت عائشہ ؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

((کان خلقه القرآن)) (صحیح مسلم)

”آپ کا خلق قرآن تھا“

مفسر قرآن فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”خلق عظیم سے مراد دین یا قرآن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو اس خلق پر ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن یا دین اسلام میں دیا ہے۔(احسن البیان:ص 1611)

آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ آپ ﷺ خلق عظیم کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اخلاق بھی بہتر بنائیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”میری بعثت کا مقصد یہی ہے کہ میں اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچاؤں“۔(مسند احمد)

دنیا کے سارے مذاہب نے اپنی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے۔ اسلام نے تو ایک طور پر اخلاق کی اہمیت کو عبادت سے بھی بڑھا دیا ہے اور جب کہ کفر و شرک کے علاوہ ہر گناہ کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معافی کے قابل قرار دیا

ہے تاہم انسانوں کے اخلاقی فرائض کی کوتاہی کی معافی ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے حق میں وہ ظلم ہوا ہو۔اسلام کی دوسری تعلیمات کی طرح اس کی اخلاقی تعلیم بھی حیرت انگیز طریقہ پر جامع اور مکمل ہے اور دوسری صفت اس کی یہ ہے کہ اسلام نے اخلاق حسنہ کی غرض و غایت تمام تر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ٹھہرائی ہے ۔ اچھے اخلاق ایمان کے لوازم ہی نہیں بلکہ وہ انسان کو ان بلندیوں تک بھی پہنچادیتے ہیں جن تک وہ کثرت عبادت کے ذریعے پہنچ سکتا ہے

فضائل اخلاق

اتحاد و اتفاق ، احسان وسلوک ، اخوت ومحبت ، استغناء و بے نیازی، اعتدال ومیانہ روی، امانت ودیانت ، انصاف وعدل ، ایثار وکرم ، ایفائے عہد ، برائی کا بدلہ بھلائی ، بردباری وتحمل، فلاح و بہبود، تواضع وانکساری، حسن معاملہ، حق گوئی و بے باکی ، حوصلہ مندی ، شرم وحیاء ، خشیت الٰہی، خوش خلقی وخوش مزاجی، رحم وترحم، رفق والفت، زہد وقناعت، سادگی، سخاوت وفیاضی، شفقت ولطافت، شیریں کلامی، صبروثبات، صدق وراستی، (سچائی، زبان کی سچائی، دل کی سچائی، عمل کی سچائی)، عفت وپاکبازی، عفوودرگزر، غریب پروری، مساوات پسندی، نرم خوئی، پڑوسی سے حسن سلوک، یتیم نوازی، اقربا نوازی، خودداری وعزت نفس، شجاعت وبسالت، ذکاوت وفطانت، ثقاوت وعدالت، مروت واخوت، ہمدردی ودوستی، خوش گفتاری، بزلہ سنجی، استقامت وغیرھم۔

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی زبان سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ کی تفصیل:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ نے فرمایا:
((کان خلقہ القرآن)) (صحیح مسلم)
''آپ کا اخلاق من وعن قرآن تھا''

ایک اور موقعہ پر حضرت عائشہ ؓ نے ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت کسی کو برا کہنے کی نہ تھی۔ آپ ﷺ برائی کرنے والے کے ساتھ برائی نہیں کرتے تھے بلکہ اسے معاف کر دیتے تھے ۔ جب آپ ﷺ کو کسی دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تھا تو ان میں سے جو آسان ہوتی اسے اختیار کرلیتے بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ کا شائبہ نہ ہو کیونکہ گناہ سے آپ ﷺ بہت دور رہتے تھے ۔ کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا اس سے خدا خود انتقام لیتا تھا (یعنی احکام ربانی کے مطابق آپ ﷺ اس کی سزا مقرر کرتے تھے) آپ ﷺ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی اور کسی غلام یا لونڈی یا کسی عورت یا خادم یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ ﷺ کسی کی درخواست رد نہیں کرتے تھے بشرطیکہ وہ ناجائز نہ ہو۔ آپ ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے آتے ، دوستوں میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ سکے''۔ (مقالات سیرت:ص147،148)

حضرت علی ؓ بن ابی طالب سے رسول مقبول ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں دریافت:

حضرت علی ؓ سے آپؓ کے صاحبزادہ گرامی حضرت حسین ؓ نے اپنے نانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و عادات مبارکہ کے بارے میں پوچھا تو حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے فرمایا کہ ''آپ ﷺ خندہ جبیں و نرم خو تھے۔ سخت مزاج اور سنگدل نہ تھے، نہ شور وغل کرتے تھے ، نہ کوئی برا کلمہ منہ سے نکالتے تھے، نہ عیب جو اور سخت گیر تھے ، کوئی بات ناپسند ہوتی تو اغماض فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے نفس سے یہ تین باتیں بالکل خارج کردی تھیں: (1) بحث ومباحثہ (2) بےضرورت باتیں کرنا۔ (3) بے مطلب کی بات میں پڑنا۔

دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ (1) کسی کو برا نہیں کہتے تھے (2) کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے۔ (3) کسی کے ٹوہ میں نہیں لگتے تھے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتاً سامنے آجاتا تو مرعوب ہوجاتا تھا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوجاتا تو آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انس ؓ جو آپ ﷺ کے خادم خاص تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک آنحضرت ﷺ کی خدمت کی مگر آپ ﷺ نے کبھی کسی معاملہ میں باز پرس نہیں فرمائی۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ سارے جہان والوں کے لیے رحمت ہیں:

فرمان الٰہی ہے: ﴿ومآ ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین﴾ ''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔'' (الانبیاء:107)

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے گا اس نے گویا اس کی رحمت کو قبول کرلیا اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا۔ نتیجتاً دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہوگا اور چونکہ آپ ﷺ کی رسالت پورے جہان کے لیے ہے اس لیے آپ ﷺ پورے جہان کے لیے رحمت بن کر یعنی اپنی تعلیمات کے ذریعے سے دین و دنیا کی سعادتوں سے ہمکنار کرنے کے لیے آئے ہیں۔
(احسن البیان:ص909)

ضرورت رشتہ

☆ ہمیں اپنی بیٹی، عمر40 سال، تعلیم ایف اے (ہمراہ ایک بیٹی عمر12 سال) کے لیے دین دار شخص کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0323-4275918

☆ لاہور میں رہائش پذیر شیخ فیملی کو اپنی بیٹی، عمر30 سال، تعلیم ایم اے HRM کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0334-9922956

دعائے مغفرت

انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ حلقہ کراچی جنوبی کی مقامی تنظیم کورنگی غربی کے رفیق محمد جنید علی کے نانا وفات پا گئے۔

☆ حلقہ کراچی جنوبی کی مقامی تنظیم اولڈ سٹی کے رفیق محمد سلیم کی والدہ وفات پا گئیں۔

☆ حلقہ پنجاب شرقی کے اسرہ پتوکی کے نقیب ثناء اللہ وفات پا گئے۔

☆ حلقہ ملاکنڈ کے منفرد اُسرہ کبل کے مبتدی رفیق آفتاب حسین کی نانی وفات پا گئیں۔

☆ مقامی تنظیم پشاور شہر کے رفیق محترم مدثر تنظیم قریشی بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں۔

☆ حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے منفرد اُسرہ ڈیرہ اسماعیل خان کے رفیق محترم فواد علی لوہانی کے سسر انتقال کر گئے ۔

☆ حلقہ حیدرآباد/لطیف آباد کے مبتدی رفقاء رفیع الزمان اور طلحہ زمان کی دادی وفات پا گئیں۔

☆ حلقہ حیدرآباد/لطیف آباد کے رفیق شاکر علی کے والد وفات پا گئے۔

☆ گڑھی شاہو تنظیم کے ملتزم رفیق الیاس اسلم کی والدہ وفات پا گئیں

☆ حلقہ سرگودھا کے رفیق عابد ندیم کے سسر وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومات کی مغفرت فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

سندھ آپریشن اور پاک بھارت مذاکرات

10 دسمبر 2015ء کو منعقدہ نشست کی تلخیصی رپورٹ

مہمانانِ گرامی: بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر غلام مرتضیٰ (دفاعی تجزیہ نگار)
ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

میزبان: وسیم احمد

سوال: کراچی میں جرائم پیشہ افراد کے خلاف رینجرز کے آپریشن کے بارے میں پہلے دن سے سندھ حکومت، وفاقی حکومت اور فوج Same Page پر نہیں ہیں یا ان میں ہم آہنگی نہیں پائی جاتی، آپ کے خیال میں اس کی وجہ کیا ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اس معاملے کو سمجھنے کے لیے ہمیں تھوڑا پس منظر میں جانا پڑے گا۔ دراصل ملک کی اندرونی سیکیورٹی کے لیے پولیس کا محکمہ ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں پولیس میں سیاست کا عمل دخل بہت زیادہ ہو چکا ہے اور سندھ میں گزشتہ 30 سال سے پولیس کا محکمہ انتہائی درجے کا Politicise ہوا ہے اور اس طرح سے کام کر ہی نہیں رہا جس طرح کہ امن وامان کی صورتحال کو قابو میں رکھنے کے لیے اسے کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے عرصہ سے رینجرز کراچی میں موجود ہے۔ یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہوا۔ رینجرز کی اصل ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ ان کو زمانہ امن میں بارڈر سیکیورٹی کے طور پر تعینات کیا جاتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اگر کہیں امن و امان کی حالت زیادہ خراب ہو جائے یا حالات پولیس کے کنٹرول سے باہر ہو جائیں تو پھر رینجرز کو بلایا جاتا ہے۔ صوبائی حکومت کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہونے پر بھی رینجرز کو پولیس کی مدد کے لیے بلا سکتی ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ پچھلے کئی سالوں سے کراچی اور حیدر آباد میں رینجرز موجود تھی۔ لیکن چونکہ رینجرز کو وہاں پر پوری طرح اختیارات حاصل نہیں تھے جس کی وجہ سے وہ مؤثر انداز میں کام کر نہیں پا رہے تھے۔ وہاں ٹارگٹ کلنگ ہو رہی تھی اور امن و امان کی صورت حال صوبائی حکومت کے قابو سے باہر تھی۔ لیکن جب پشاور کے اے پی ایس کے واقعہ کے بعد نیشنل ایکشن پلان بنا اور 21 ترمیم آئی تو اس کے بعد رینجرز کو خصوصی اختیار دیا گیا، پھر ہر صوبے میں ایک ایپکس کمیٹی بنی اور اس میں صوبے کا گورنر اور مقامی کور کمانڈرز involve ہوئے اور کہا گیا کہ اب امن وامان کی صورتحال مشترکہ طور پر کنٹرول کی جائے گی اور ایپکس کمیٹی اس کو مانیٹر کرے گی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس وقت ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی میں یہ خدشات موجود تھے کہ اگر ہم رینجرز کے اختیارات بڑھائیں گے تو پھر کہیں یہ ہمارے ہی لوگوں پر ہاتھ نہ ڈال

مرتب: مُحمّد رفیق

دیں۔ اسی لیے انہوں نے 21ویں ترمیم میں خاص طور پر ’’مذہبی دہشت گردی‘‘ کے لفظ کا اضافہ کروانے کی کوشش کی تھی۔ تاکہ صرف مذہبی دہشت گردی کے خلاف بھرپور اختیارات دیئے جائیں۔ اب سب مانتے ہیں کہ کراچی میں رینجرز نے واقعی امن و امان قائم کیا اور رینجرز نے

> ایم کیوایم، پیپلز پارٹی اور وفاقی حکومت کا فوج کے خلاف ایک خاموش اتحاد بن چکا ہے

دائرہ کار دہشت گردی سے بڑھا کر دہشت گردی کو سپورٹ کرنے والے عناصر پر ہاتھ ڈالا تو پھر اور بہت سی چیزیں سامنے آئیں۔ لہٰذا ان کو اپنے ایکشن کو وسیع کرنا پڑا۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ نائن زیرو پر بھی آپریشن ہوا، جس سے ایم کیو ایم نے کافی واویلا مچایا۔ پھر جب ڈاکٹر عاصم کی گرفتاری ہوئی، تو پیپلز پارٹی کا رویہ بھی ایم کیو ایم جیسا ہو گیا۔ اب نواز شریف اور آرمی چیف کراچی گئے، گورنر ہاؤس میں میٹنگز ہوئی ہیں اور اس کے بعد اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ تو سول حکومت اور فوج شروع سے ہی Same Page پر نہیں ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: اصل میں جہاں تک رینجرز کا تعلق ہے تو ان کو 1997ء کے انٹی ٹیررازم ایکٹ کے تحت صوبے میں تعینات کیا گیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ آغاز میں تو یہ تاثر ملتا تھا کہ جیسے رینجرز کی ساری کارروائی مذہبی دہشت گردی کے خلاف ہوگی۔ لہٰذا آپ کو یاد ہوگا کہ ایم کیو ایم کراچی آپریشن کے بارے میں بڑی پُرجوش تھی، وفاقی حکومت بھی طالبان کے خلاف آپریشن چاہتی تھی اور کچھ ایم کیو ایم سے خوفزدہ تھی، وہ چاہتی تھی کہ ایم کیو ایم کی طاقت کو کچھ کم کیا جائے تو شروع میں وہ کسی حد تک ایک پیج پر تھے لیکن جب معاملہ دہشت گردوں کی مالی مدد کی طرف آیا اور اس میں ایک طرف ڈاکٹر عاصم پر ہاتھ پڑا، ایک طرف ایم کیو ایم پر ہاتھ پڑا تو اب مرکزی حکومت بھی محسوس کر رہی ہے کہ یہ کل کلاں پنجاب کی طرف بھی آسکتے ہیں۔ لہٰذا اب یہ صورتحال ہے کہ ایک طرف فوج ہے اور دوسری طرف ایم کیو ایم، پیپلز پارٹی اور وفاقی حکومت کا فوج کے خلاف ایک خاموش اتحاد بن چکا ہے۔

وفاقی حکومت اس طرح چل رہی ہے کہ ظاہری طور پر فوج کے ساتھ تعاون کر رہی ہے اور اس حد تک تعاون کرتی ہے جس حد تک وہ سمجھتے ہیں کہ اس کی ہماری طرف بڑھنے کا امکان مزید کم ہوگا۔ فرض کیجئے آج ہی (10 دسمبر کو) سندھ اسمبلی کا اجلاس ہے جس میں رینجرز کو توسیع دینے کا معاملہ آنا ہے لیکن وفاقی حکومت نے یہ کہہ دیا ہے کہ پاکستان پروٹیکشن آرڈیننس PPO جولائی 2014ء کی دفعہ 3 کے تحت اگر سندھ اسمبلی نے رینجرز کو اختیارات نہ بھی دیئے تو وفاق رینجرز کو یہ اختیارات دے سکتا ہے۔ دیکھئے! وفاق یہ تو کبھی نہیں چاہے گا کہ رینجرز وہاں سے Withdraw ہو جائے اور وہاں پھر وہ قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہو جائے تو اس اتحاد کے باوجود (جو اندر خانے ہے) وفاق یہ چاہتا ہے کہ رینجرز وہاں رہیں اور صرف دہشت گردی کو قابو کرے، مالی (فنانشل) دہشت گردی کی طرف نہ آئے، اندرون خانہ چوکھی سی جنگ ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: میں ریکارڈ کی درستگی کے لیے بتا دوں کہ 97ء ایکٹ کے تحت نہیں بلکہ 86ء کے

بعد سے جب ایم کیو ایم کا ظہور ہوا تھا، رینجرز کسی نہ کسی طور پر وہاں موجود تھی۔ سوائے اس کے کہ جو اختیارات اب رینجرز کو حاصل ہیں، پہلے حاصل نہیں تھے۔ اب غیر معمولی اختیارات حاصل ہیں اور اب مرکزی حکومت چاہتی ہے کہ رینجرز کے اختیارات میں توسیع صوبائی حکومت ہی کر دے اور ہمیں مداخلت نہ کرنا پڑے کیونکہ اگر وفاقی حکومت مداخلت کرتی ہے تو وہ ایک انتہائی اقدام ہوگا اور اس سے سیاسی ماحول خراب ہو سکتا ہے۔

سوال :سندھ حکومت کا رینجرز پر یہ اعتراض ہے کہ وہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ رینجرز اگر سندھ حکومت کے طلب کرنے پر آئے تھے تو اُصولی طور پر رینجرز کو سندھ حکومت کے تابع ہونا چاہیے۔ اس میں اختلاف کیا ہے؟

ایوب بیگ مرزا: آپ نے ''اصولی طور پر'' کا لفظ استعمال کیا، یہاں مصیبت یہی ہے کہ اس ملک میں کوئی کام اصولی طور پر نہیں ہوتا اور یہ سب بے اصولیوں کا کیا دھرا ہے جو ہم بھگت رہے ہیں۔ اصل میں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رینجرز کا کام یہ ہے کہ وہ سندھ حکومت، جس نے انہیں طلب کیا ہے ان کی فرمانبرداری کرے، جیسے پولیس کرتی رہی ہے۔ لیکن یہاں مصیبت یہ ہے کہ جب کوتوال ہی چوری کرنے لگے تو کون اس کو پکڑے گا۔ مسئلہ یہ ہوا کہ جب کراچی کی بدامنی کا جائزہ لیا گیا جس میں خاص طور پر بھتہ خوری، چائنہ کٹنگ اور مختلف محکموں میں اپنے بندوں کو بھرتی کروانے والا معاملہ شامل تھا تو اس میں معلوم ہوا کہ حکومت کے ارکان، کابینہ سے لے کر چیف صاحب تک سب کرپشن میں ملوث ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس خدشے کے تحت کہ رینجرز کوئی مزید قدم اٹھائے گی کراچی میں ایک کھرب کی زمینیں حکومت کو خود ہی واپس کر دی گئی ہیں، کیونکہ یہ زمینیں انہیں ناجائز الاٹ کی گئی تھیں۔ رینجرز نے جب دہشت گردوں کو پکڑا اور ان کی انوسٹی گیشن کی تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں اس کام کے لیے فلاں نے اتنا معاوضہ دیا تھا، مثال کے طور پر ٹارگٹ کلنگ کے بارے میں بتایا گیا کہ ہمیں ایک بندہ مارنے پر اتنے پیسے ملتے تھے۔ اب وہ پیسے کون لوگ دیتے تھے۔ وہ وہی لوگ تھے جو ان ذرائع سے ناجائز آمدنی اکٹھی کر رہے تھے اور اس میں بڑے بڑے آفیسرز اور سیاستدان شامل ہیں۔ اصول کی بات بالکل درست ہے کہ رینجرز کو اپنے دائرہ کار میں رہنا چاہیے لیکن اگر رینجرز محدود دائرہ کار میں رہے تو بات ادھوری رہ جاتی ہے کہ ایک بندے کو پکڑا جائے، استغاثہ کی طرف سے اس کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے، کیونکہ حکومت اس کے ساتھ ہے لہٰذا اس دہشت گرد کو چھوڑنا پڑتا ہے اور وہ جا کر پھر دہشت گردی کرتا ہے۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اس بات کو آپ اس طرح سوچیں! کہ جب کوئی ٹارگٹ کلر کسی کو اس لیے مارتا ہے کہ اس نے کسی کے لیے کسی کی زمین پر قبضہ کرنا ہے، تو اگر وہ ٹارگٹ کلر پکڑا گیا تو وہ بتائے گا کہ مجھے کس کام کے لیے پیسے دیئے گئے تھے۔

ایوب بیگ مرزا: رینجرز کا کہنا ہے کہ اگر ہم مالی معاملات کو درست نہیں کرتے تو یہ دہشت گردی تاقیامت ختم نہیں ہوگی۔ چاہے ہم جتنے مرضی بندے پکڑ لیں۔ اب تک کی اطلاع کے مطابق ایک ہزار ٹارگٹ کلر پکڑا جا چکا ہے اور ان میں سے نو سو سے زائد رہا کر دیئے گئے ہیں،

> اس خدشے کے تحت کہ رینجرز کوئی مزید قدم اٹھائے گی کراچی میں ایک کھرب کی زمینیں حکومت کو خود ہی واپس کر دی گئی ہیں۔

کیونکہ استغاثہ ان کے خلاف ثبوت فراہم نہیں کر سکا۔ مثال کے طور پر نیب سے سابق صدر زرداری بڑے باعزت بری ہوگئے، کیونکہ وفاقی حکومت کے ساتھ ان کا مک مکا تھا، انہوں نے فائلیں ہی نہیں پیش کیں، انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اصل فائلیں نہیں بلکہ ہمارے پاس فوٹو کاپیاں ہیں تو جج نے کہا کہ میں فوٹو کاپیوں پر تو فیصلہ نہیں دے سکتا، لہٰذا اس نے انہیں بری کر دیا۔ تو جب تک ان دہشت گردوں اور ٹارگٹ کلروں کے خلاف حکومت وہ ثبوت پیش نہیں کرے گی جو کہ حکومت کے پاس ہیں تو رینجرز والے کہتے ہیں کہ کیا ہم یہ کام کرتے رہیں کہ لوگوں کو پکڑتے رہیں اور عدلیہ انہیں چھوڑتی رہے؟

سوال: عدلیہ اپنی جگہ، فوجی عدالتیں کس کام کے لیے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: فوجی عدالتوں کے قیام کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ ہو چکی ہے اور شاید آج ہی (10 دسمبر) اس کیس کی سماعت کے لیے کئی ججوں پر مشتمل ایک بڑا بنچ بیٹھ رہا ہے۔

سوال: اگر فوجی عدالتیں کام نہیں کر رہیں تو ہمارے آرمی چیف جو سزائے موت کی توثیق کر رہے ہیں وہ کس قانون کے تحت کرتے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: پنجاب کی صرف ایک یا دو فوجی عدالتوں کے کیسز پر آرمی چیف نے سزائے موت کی توثیق کی تھی لیکن ان میں سے بھی کچھ کی سزا سپریم کورٹ نے روک دی ہے۔ اب یہ معاملہ ہمارے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان بن گیا ہے کہ اگر فوج آگے بڑھتی ہے تو آئین پاؤں تلے روندا جاتا ہے، ظاہر ہے فوج کا یہ کام نہیں ہے اور اگر فوج پیچھے ہٹتی ہے تو وہ ٹارگٹ کلنگ جو پہلے 10، 15 بندے روز کی ہوتی تھی یا اغواء برائے تاوان کی وارداتیں ہوتی تھیں تو ان وارداتوں میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ پاکستان اس وقت بند گلی میں داخل ہو چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس مسئلے کا کوئی حل نہ نکالا گیا تو بات آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ فرض کیجیے سندھ کی بجائے وفاقی حکومت رینجرز کو اختیارات دے دیتی ہے تو بات ختم نہیں ہوگی۔ چپقلش تو چلے گی اور اس میں بات آ کر یہاں ختم ہوگی کہ سندھ کی حد تک بالآخران کو گورنر راج لگانا پڑے گا۔ میں گورنر راج کی تجویز نہیں دے رہا اور نہ ہی اس کی نوبت آنی چاہیے لیکن اگر حالات درست نہ ہوئے تو بالآخر ایسا کرنا پڑے گا۔

سوال : کراچی آپریشن کے بارے میں MQM کا واویلہ ہے کہ اس آپریشن میں صرف MQM کو ٹارگٹ کیا جا رہا ہے، یہ کس حد تک درست ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اصل میں یہ آپریشن ایم کیو ایم کے خلاف نہیں ہے بلکہ کراچی کی صورتحال کے بگاڑ میں بہت سے گروپ ملوث تھے، اس میں کچھ دینی جماعتوں کا بھی ہاتھ تھا، جن کے کچھ ٹارگٹ کلرز کو پکڑا گیا، اس کے علاوہ آپ کو معلوم ہے کہ نیشنل ایکشن پلان میں مدرسوں کے خلاف کارروائی کا حکم تھا، کراچی میں مدارس کی بھی تفتیش کی گئی، ان کے ریکارڈ دیکھے گئے اور ان میں بھی جو مشتبہ لوگ تھے، ان کو پکڑا گیا۔ ان کی خبریں اصل میں پریس میں اس طرح نہیں آتیں، جس طرح ایم کیو ایم اپنے

خلاف ہونے والے کسی واقعہ کو اُچھالتی ہے۔ کیونکہ ان کا میڈیا سیل بہت مضبوط ہے۔ بہر حال آپریشن کے حوالے سے ایم کیو ایم کا یہ واویلہ بے بنیاد ہے۔

سوال: بھارتی وزیر خارجہ سشما سوراج بظاہر تو ہارٹ آف ایشیا کانفرنس میں شرکت کے لیے آئی ہیں لیکن آپ کے خیال میں ان کی پاکستان آمد کا پس منظر کیا تھا؟

ایوب بیگ مرزا: دراصل میں سمجھتا ہوں کہ مودی جب سے اقتدار میں آئے ہیں تو ان کی فارن پالیسی میں تسلسل نہیں ہے۔ جب یہ آئے تھے تو بڑے جنگجویانہ انداز سے آئے تھے، جیسے کوئی توپ و تفنگ سے مسلح ہو کر آتا ہے اور ان کا خیال تھا کہ پاکستان تو ایک بڑا آسان ہدف ہے۔ اس کو تو یوں چبا جائیں گے۔ اسی لیے وہ معاملات کو اس طرف لے گئے کہ کوئی مذاکرات نہیں ہوں گے۔ لیکن حالات نے انہیں سبق سکھایا، انہیں بتایا گیا کہ بہر حال جو بھی ہے دونوں ممالک ایٹمی قوت کے حامل ہیں اور مذاکرات کے علاوہ ہمارے پاس کوئی آپشن سرے سے ہے ہی نہیں۔ آپ مذاکرات کے علاوہ کوئی آپشن اختیار کرتے ہیں یا اس کے بارے میں سوچتے ہیں تو درحقیقت یہ تباہی ہے۔ اس پر ان کے دماغ کی کچھ درستگی ہوئی ہے اور انہوں نے حالات کو صحیح طور پر سمجھنا شروع کیا ہے۔ کچھ یہ کہ امریکہ اور برطانیہ یہ سمجھتے ہیں کہ افغانستان میں ان کی جس طرح درگت بنی ہے، اس لیے انہیں پاکستان کے تعاون کی بڑی شدید ضرورت ہے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ امریکہ نے بھارت کو صرف کہا نہیں بلکہ ٹھیک ٹھاک انداز میں پُش کیا ہے۔ جسے کہتے ہیں کہ گن پوائنٹ پر بھیجا ہے کہ آپ کے پاس کوئی آپشن نہیں، دوسری طرف مودی بھی یہ جان چکے ہیں کہ میری پالیسیاں جو ڈیڑھ سال پہلے سے رہی ہیں وہ غلط تھیں، لہٰذا انہوں نے اس کانفرنس کا فائدہ اٹھایا ہے اور مذاکرات کو Comprehensive Bilateral Dialogue کا نام دیا ہے۔ اصل میں ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جب انڈیا کا مفاد ہوتا ہے تو مذاکرات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دراصل اب انڈیا مذاکرات کے ذریعے اپنی ٹریڈ سنٹرل ایشیا تک بڑھانا چاہ رہا ہے اور افغانستان کے زیر زمین کھربوں روپے کے لوہے کے ذخائر کے لیے بے تاب ہے۔ یعنی وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے مذاکرات پر تیار ہوا ہے، جبکہ وہی اوفا معائدہ تھا جہاں کشمیر کا نام نہیں آنے دیا تھا اور اب Comprehensive Dialogue کا کہہ دیا ہے جس میں کشمیر، سیاچن، سر کریک، وولر بیراج سب آ گئے۔ دراصل وہ مذاکرات مذاکرات کھیلیں گے اور اس وقت تک کھیلیں گے جب تک انہیں اپنے مفادات کا تحفظ ہوتا محسوس ہو۔ جب انہیں محسوس ہوگا کہ ہمارے مفادات کا تحفظ نہیں ہو رہا تو وہ مذاکرات سے پیچھے ہٹ جائیں گے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ پاکستانی میڈیا کا کردار کیا ہے؟ ہم کرکٹ کے لیے مرے جا رہے ہیں، ان کی منتیں کر رہے ہیں، کرکٹ کھیلنے کے لیے کیا ہمیں کوئی اور ملک نہیں ملتا؟ ہمیں نہ مذاکرات سے انکار ہے اور نہ کرکٹ سے، لیکن

> ایک ہزار ٹارگٹ کلرز میں سے نوسو سے زائد رہا کر دیئے گئے ہیں، کیونکہ استغاثہ ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں دے سکا۔

طریقہ کار باوقار ہونا چاہیے۔ یہ کیا انداز ہے کہ جب ان کا مفاد ہو تو انہیں جرنیلی سڑک یاد آ جاتی ہے جو کابل تک جاتی ہے۔ اس کانفرنس کا جو مشترکہ اعلامیہ آیا ہے اس میں ہمارے لیے شرم کی بات ہے کہ پاکستان نے تسلیم کیا ہے کہ ہم بمبئی حادثے کے ملزمان کا کیس جلد از جلد منطقی انجام تک پہنچائیں گے۔ بھئی! اگر ممبئی کیس کا فیصلہ منطقی انجام تک پہنچانا ہے تو سمجھوتہ ایکسپریس میں کتنے سو انسان جل کر ہلاک ہو گئے تھے، ان کا کیس کہاں جائے گا؟ ہم اپنے کیس اور ملکی مفادات کے معاملے میں کیوں Defensive ہو جاتے ہیں؟ ٹھیک ہے اگر وہ ممبئی کا معاملہ اٹھائیں تو ہم سمجھوتہ ایکسپریس کا معاملہ ان کے سامنے رکھیں۔ پاکستان کا یہ انداز بہت غلط ہے، یہ کمزوری کا احساس دلاتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اندر جان نہیں ہے یا ہمارا موقف انتہائی کمزور ہے۔

سوال: پاکستان اور بھارت میں Comprehensive Bilateral Dialogue کا آغاز ہونے جا رہا ہے۔ کیا مذاکرات کا آغاز آپ کے خیال میں دونوں ممالک میں قیام امن لیے مثبت پیش رفت ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: یہ باتیں بھی ہو رہی ہیں کہ یہ Composite Dialogue ہیں یا Comprehensive Bilateral Dialogue ہیں۔ نام تو خیر ان کا کچھ بھی رکھ لیں۔ پہلے بھی جب مشرف انڈیا گئے تھے تو وہاں ''کورائیٹو'' کے نام پر مذاکرات ناکام ہو گئے تھے۔ بہر حال بات کچھ بھی ہو لیکن مشترکہ اعلامیہ میں یہ تو سامنے آیا کہ تمام مسائل پر بات چیت ہوگی۔ اگر ہم تاریخ کو دیکھیں تو جیسے انڈیا اور پاکستان دو آزاد مملکتوں کے طور پر وجود میں آئے تھے تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان دونوں کے تعلقات شروع سے ہی بہت اچھے ہوتے، جس طرح کینیڈا اور امریکہ کے ہیں۔ پاکستان جس نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا ہماری کوتاہی ہے کہ ہم نے آج تک اس نظریے کو عملی شکل نہیں دی۔ محترم بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان میں اسلامی نظام قائم کریں اور پھر انڈیا کے ساتھ بے شک اچھے تعلقات قائم کریں۔ اس وقت انڈیا میں مودی جو الیکشن جیت کر آئے ہیں تو اس کی دو بنیادی وجوہات تھیں۔ ایک تو انہوں نے ''ہندوتوا'' کا ہوا کھڑا کیا تھا اس پر انہیں سپورٹ حاصل ہوئی۔ دوسری وجہ شہرت ان کی گجرات کے سابق وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے تھی اور آج کل ان کے فارن Relations ہیں جن کی بنیاد معاشی تعلقات ہیں۔ انڈیا پاکستان کے ذریعے افغانستان کے علاقے بامیان میں موجود کھربوں ٹن لوہے سے سٹیل مل لگانا چاہتا ہے اور ساتھ ہی سنٹرل ایشیائی ریاستوں تک بھی رسائی چاہتا ہے۔ انڈیا ہماری محبت میں یا ہمارے مسائل حل کرنے کے لیے مذاکرات نہیں کر رہا بلکہ وہ اپنے مفادات کے لیے ایسا کر رہا ہے۔ جہاں تک دہشت گردی کا تعلق ہے، انڈیا نے بڑا شور مچایا تھا کہ پہلے دہشت گردی کا معاملہ حل ہوگا پھر مذاکرات کریں گے تو پاکستان نے بھارتی دہشت گردی کے ثبوت جا کر UNO میں دیئے، ڈیوڈ کیمرون کو دیئے، سوال یہ ہے کہ سشما سوراج یہاں آئیں، یہ ثبوت انہیں کیوں نہیں دیئے گئے۔ پاکستانی حکومت پتا نہیں کیوں بیک فٹ پر چلی جاتی ہے۔ ہمیں بھی اپنے مفادات کا خیال رکھتے ہوئے مذاکرات کی حامی بھرنی چاہیے۔

☆☆☆☆

اس پروگرام کی ویڈیو www.tanzeem.org پر ''خلافت فورم'' کے عنوان سے دیکھی جا سکتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کے سود کے حوالہ سے
14 سوال اور ان کے جوابات (قسط نمبر 3)

2002ء سے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کی جانب سے ریمانڈ شدہ انسدادِ سود کا ایک نہایت اہم مقدمہ فیڈرل شریعت کورٹ کے پاس معرضِ التوا میں پڑا تھا، جسے اب کورٹ میں تنظیم اسلامی کی کوششوں سے سماعت کے لیے فکس کر دیا گیا ہے۔ اب تک اس ضمن میں چار مختصر سماعتوں کی نوبت آ چکی ہے۔ کورٹ کی جانب سے معاملے کی وضاحت کے لیے چودہ سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ جاری کیا گیا تھا جس کی روشنی میں فاضل عدالت از سرِ نو فیصلہ سنائے گی۔ ان سوالات کے جوابات شعبہ تحقیق کے سربراہ حافظ عاطف وحید نے اہلِ علم کی آراء کی روشنی میں تیار کیے ہیں اور انہیں کورٹ میں ''داخل دفتر'' کروا دیا گیا ہے۔ معاملے کی اہمیت کے پیشِ نظر اور ابلاغِ عامہ کی غرض سے ان سوالات کے جوابات قارئین کے لیے بھی پیش کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

سوال 1: تفاسیر کی روشنی میں ربا (سود) کی مستند تعریف کیا ہے؟ کیا ربا، یوژری اور انٹرسٹ میں کوئی فرق ہے؟ کیا ربا کا اطلاق اس انٹرسٹ پر بھی ہوتا ہے جو بینک اور مالیاتی ادارے تجارتی اور پیداواری مقاصد کے لیے دیئے گئے قرضوں پر وصول کرتے ہیں؟

گزشتہ سے پیوستہ

جیسا کہ ہم نے واضح کر دیا کہ اصولی طور پر اسلام نے سود کے اطلاق کے حوالے سے صرفی اور پیداواری قرضوں میں کوئی فرق نہیں کیا اور نہ ہی پیداواری مقاصد کے لیے دیئے جانے والے قرضوں پر سود کو جائز قرار دیا ہے۔ آج تک پیداواری قرضوں کے فرق کی بنا پر سود کے جواز کے قائلین اپنے مؤقف کی تائید میں کوئی نصِ قرآنی تو درکنار صحیح الاسناد حدیث بھی نہیں پیش کر سکے جبکہ ہم نے بعض قرآنی آیات کی تشریح سے یہ واضح کر دیا ہے کہ سود کے اطلاق کے اعتبار سے کاروباری اغراض کے لیے دیئے جانے والے قرضوں کا استثنیٰ یا تخصیص، کتاب و سنت کے منضبط احکام سے میسر نہیں آتی ہے۔ ہم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ زمانہ جاہلیت میں بھی صرفی ضروریات کے ساتھ تجارتی اور پیداواری ضروریات کے لیے بھی قرض کا لین دین رائج تھا اور ایسے قرضوں پر بھی سود لیا اور دیا جاتا تھا۔ اب ہم چند ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن سے یہ معاملہ بالکل بے غبار ہو جائے گا کہ زمانہ جاہلیت میں ہی نہیں بلکہ سود کی حرمت کا قطعی حکم آنے سے پہلے حضور ﷺ کے مکی اور مدنی دور میں نہ صرف تجارتی و پیداواری قرضوں کا رواج تھا بلکہ ان پر سود کا لین دین بھی ہوتا تھا۔ کئی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آیت ربا نزول کے اعتبار سے قرآن حکیم کی آخری آیت تھی یہ روایات حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ خود حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے دوران اسقاطِ سود کا حکم جاری فرمایا اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سود کو ساقط قرار دیا۔

قدیم مفسر امام ابن جریر طبری نے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ: ۲۷۸﴾ کے شانِ نزول کے حوالے سے یہ روایات نقل کی ہیں۔ ان روایات کو بعد میں آنے والے مفسرین نے بھی نقل کیا ہے جن میں صاحب تفسیر در منثور، صاحب تفسیر مظہری، صاحب تفسیر روح البیان جیسے عظیم المرتبت مفسرین شامل ہیں۔ حضرت ضحاک بن مزاحم تابعی فرماتے ہیں:

کان ربا یتبایعون به في الجاهلیة فلما اسلموا امروا ان یأخذوا رؤوس اموالهم۔ (جامع البیان: جلد 3: ص 147)

جاہلیت کے دور میں لوگ سودی کاروبار کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان کو حکم دیا گیا کہ صرف اصل رقم ہی وصول کرو۔

انہوں نے ''وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا'' کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے امام سدی کے حوالہ سے لکھا ہے:

نزلت هذا الأیة في العباس بن عبد المطلب و رجل من بني المغیرة کانا شریکین في الجاهلیة سلفا في الربا الی اناس من ثقیف من بني عمر و بن عمیر فجاء الاسلام و لهم اموال عظیمة في الربا فانزل اللّٰه وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا۔

یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو زمانہ جاہلیت میں کاروبار میں شریک تھے۔ انہوں نے بنو ثقیف قبیلے کی ایک شاخ بنو عمرو کو سودی قرض پر اپنے اموال دے رکھے تھے جب اسلام کا دور آیا (اور سود حرام کر دیا گیا) تو ان کا بہت سا مال سود میں لگا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ چھوڑ دو جو بھی بقایا ہے سود میں سے۔

اس روایت میں دو تاجروں کے اس سودی قرضے کا ذکر ہے جو انہوں نے بنو عمرو قبیلے کو دے رکھا تھا اور یہ زیادہ مال تھا جو بنو عمرو کے ذمے بقایا تھا۔ امام ابن جریر نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ بنو عمرو بھی بنو مغیرہ کو سودی قرضے دیا کرتے تھے۔

و کانت بنو عمرو بن عمیر بن عوف یأخذون الربا من بني المغیرة و کانت بنو المغیرة یربون لهم في الجاهلیة فجاء اسلام و لهم علیهم مال کثیر فاتاهم بنو عمر و یطلبون رباهم فابی بنو المغیرة ان یعطوهم في الاسلام و رفعوا ذالك الی عتاب بن اسید فکتب عتاب الی رسول اللّٰه فانزل اللّٰه ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا﴾ الی قوله و لا تظلمون فکتب رسول اللّٰه ﷺ الی عتاب و قال ان رضوا و الا فاذنهم بحرب۔ (جامع البیان: جلد 3: ص 147)

دورِ جاہلیت میں بنو عمرو اور بنو مغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین تھا۔ جب اسلام کا دور آیا تو بنو عمرو کا بنو مغیرہ پر بہت سا مال واجب الادا تھا، چنانچہ بنو عمرو بنو مغیرہ کے پاس آئے اور ان سے سود کا بقایا طلب کیا۔ بنو مغیرہ نے اسلام کے دور میں سود دینے سے انکار کر دیا (دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے تھے) وہ مقدمہ حضرت عتاب بن اسید کے پاس لے گئے، حضرت عتاب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط لکھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا خوف کرو اور جو بھی بقایا ہے سود کا اسے چھوڑ دو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت لکھ کر عتاب کو بھجوا دی اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ اگر یہ لوگ

چھوڑنے پر راضی ہوں تو بہت اچھا ورنہ ان لوگوں کو جنگ کا الٹی میٹم دے دو۔

امام ابن جریر طبری نے یہاں عکرمہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے:

كانوا يأخذون الربا على بنى المغيرة يزعمون أنهم مسعود و عبدياليل و حبيب و ربيعة بنو عمرو بن عمير، فهم الذين كان لهم الربا على بنى المغيرة، فأسلم عبد ياليل و حبيب و ربيعة و هلالو مسعود۔

(جامع البیان: جلد 3: ص 147)

وہ یہ گمان کرتے تھے کہ مسعود، عبد یالیل، حبیب اور ربیعہ بنی عمرو بن عمیر، بنو مغیرہ کی ذمہ داری پر سود لیتے تھے پس یہ وہ لوگ تھے جن کا بنی مغیرہ پر سود ہوتا تھا پھر عبد یالیل، حبیب، ربیعہ، ہلال اور مسعود نے اسلام قبول کرلیا۔

پہلی روایت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ سود کی حرمت کا قطعی حکم آنے سے پہلے لوگ سودی کاروبار کرتے تھے اور یہاں سودی کاروبار سے مراد تجارتی قرضوں پر سود کا لین دین ہی ہے۔ مؤخر الذکر تینوں روایات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان کے مابین قرضوں کا لین دین تجارتی نوعیت کا تھا کیونکہ صرفی قرضوں میں باہم تبادلہ ممکن نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کے ذمے مال کثیر ہونا یہی دلالت کرتا ہے کہ یہ قرضے تجارتی مقاصد کے لیے حاصل کیے گئے تھے ورنہ ذاتی ضروریات کے لیے بڑے قرضے حاصل کرنے کی کوئی تک نہیں بنتی۔ پھر قرضوں کے اس لین دین میں جن شخصیات کے نام لیے گئے ہیں وہ بنو ثقیف اور طائف کے سرداروں میں سے ہیں جن کے بارے میں یہ گمان کرنا ہی محال ہے کہ وہ ذاتی ضروریات کے لیے قرض لیتے تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابتداً وفاقی شرعی عدالت 1991ء میں اور بعد میں شریعت اپیلٹ بنچ 1999ء میں ٹھوس دلائل سامنے آنے پر یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ سود کے اطلاق کے حوالے سے صرفی اور پیداواری قرضوں میں فرق کرنا درست نہیں ہے اور یہ کہ بینکوں کی طرف سے پیداواری اور تجارتی مقاصد کے لیے دیئے جانے والے قرضوں پر حاصل ہونے والے سود پر ''الربٰو'' کا اطلاق ہوتا ہے اور ہم دونوں معزز عدالتوں کی طرف سے کیے گئے فیصلوں کے ان اجزا سے مکمل موافقت اختیار کرتے ہیں۔ شریعت اپیلٹ بنچ کے فیصلے کے یہ (باقی صفحہ 16 پر)

چشم کشا

لبرل ازم کی صبح کب طلوع ہو گی؟

ایاز امیر

ہم تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ اخبار میں شائع شدہ ایک ایسا کالم ندائے خلافت میں نقل کریں گے جس میں پاکستان کو بے حیائی اور فحاشی ہی نہیں بیہودگی کو بھی بدترین سطح پر لے جانے کی خواہش جھلک رہی ہو۔ لیکن لبرل ازم کے حوالہ سے وزیراعظم کے بیان کے بعد ملک میں جو بحث چل نکلی ہے، اس لبرل ازم کو بعض نام نہاد اسلام پسند دانشور مشرف با اسلام کرنا چاہتے ہیں۔ وہ زہر پر میٹھا چڑھا کر اہل پاکستان کے حلق سے اتارنا چاہتے ہیں۔ اُنہیں بے نقاب کیا جانا ضروری ہے۔ اس کالم کے مصنف ایاز امیر جو کہ سیکولر اور لبرل ہیں، نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ لبرل ازم اصلاً ہے کیا اور اُسے اپنانے کے بعد پاکستان کی صورت گری کیسی ہوگی؟ لبرل پاکستان کیسا ہوگا؟ اس کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو اصل خطرہ اندرونی دشمنوں اور آستین کے سانپوں سے ہے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ملفوف انداز میں لبرل ازم کے نام پر پاکستان میں مغرب کی دجالی تہذیب کا تسلط چاہتے ہیں۔ (ادارہ)

اپنے قیام کے وقت سے ہی پاکستان میں اسلام موجود تھا، بلکہ اس کے مطالبے کی وجہ ہی مسلمانوں کا جداگانہ تشخص تھا، لیکن پھر اس میں نائٹ کلب بھی تھے۔ ہمارے سب سے جدید کاسموپولٹن شہر، کراچی میں ان کی تابانی جلوہ گر تھی اور وہ کسی کی طبع نازک پر گراں نہ گزرتی۔ اُن دنوں عقیدہ اور برِ صغیر کی مخصوص تفریح اپنی اپنی راہوں پر گامزن، مگر کوئی الجھاؤ یا ٹکراؤ نہ تھا۔ گناہ گاروں کو انجام سے خبردار کرنے والی گرجدار تقریریں بھی سنائی دیتیں تو شام کو بار بھی کھل جاتے ۔ لاہور کے فلیٹیز ہوٹل میں باقاعدگی سے رقص شو کا انعقاد ہوتا، جن کے اشتہارات شمالی پاکستان کے اُس وقت کے سب سے بڑے اخبار، پاکستان ٹائمز، میں تصاویر کے ساتھ شائع ہوتے تھے۔ جمخانہ اور لارنس گارڈن (جو حب الوطنی کا دور شروع ہوتے ہوئے باغِ جناح بن گیا) کے کاسموپولٹن کلب شام ہوتے ہی قہقہوں سے گونجنے لگتے، زندگی رقص کناں دکھائی دیتی، موسیقی دل کے تار چھیڑ دیتی۔

یہ سب خوش ظرفیاں لاہور کے اسلامی تشخص کو مجروح نہیں کرتی تھیں۔ برِ صغیر نے تقسیم کا قہر جھیلا، پنجاب کے دریا خون سے سرخ ہوئے ، لاکھوں افراد کو ہجرت کا عذاب سہنا پڑا، زندگی مجروح ہوئی اور پھر تقسیم کے ہنگاموں کے بعد یہاں ہندوؤں اور سکھوں کی متروکہ جائیداد پر قبضے کے لیے ہاہا کار مچ گئی۔ اس پر مستزاد، دستور ساز اسمبلی نے آئین سازی پر توجہ دینے کی بجائے قراردادِ مقاصد منظور کرتے ہوئے سیاست پر عقیدے کی بخیہ گری کرنا بہتر سمجھا، لیکن ہنگامہ سود و زیاں سے بالاتر، سفرِ زیست اپنی پوری رعنائیوں سے جاری تھا، عوام کے جمالیاتی ذوق پر شام کی رنگینی جلوہ گر دکھائی دیتی اور نائٹ کلبوں کی رونق، بار کی مستی اور دیدہ زیب پیراہن میں پریاں قطار اندر قطار حسنِ بے پروا کو بے نقاب کرتیں۔ اس دوران اہلِ ایمان مذہبی اجتماعات میں شرکت کرکے ایمان تازہ کرتے، نمازِ جمعہ کا اہتمام ہوتا، رمضان آتا تو روزے رکھے جاتے۔ درحقیقت اُس وقت کے پاکستان کی قبائے صفات میں ان دونوں متضاد رنگوں کے جلوے نمایاں تھے، اور کوئی معترض نہ تھا، کہ یہی زندگی ہے۔ زاہد کی سلطنت قائم تھی تو رند بھی سکندری سے محروم نہ تھے۔

سعادت حسن منٹو کو فحش نگاری پر مقدمات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا لیکن اگر وہ پیاس بجھانا چاہتے بشرطیکہ اُن کی جیب میں پیسے ہوتے تو بار کھلے تھے، کوئی پابندی نہ تھی۔ یقیناً استاد بڑے غلام علی خان صاحب اور ساحر لدھیانوی کا پاکستان چھوڑ کر ہندوستان چلے جانا ہمارے لیے ایک قومی نقصان تھا۔ آج دنیا ماحولیاتی تبدیلیوں پر پریشان ہے، ہماری پریشان کن تبدیلیوں کا دور وہ تھا کیونکہ اُس وقت عقیدے کا توانا ہوتا ہوا بیانیہ مہذب فنون کی لے سے ہم آہنگ نہ تھا۔ جبر سے فضا گھری ہونے لگی تھی، لیکن بہر حال تازہ ہوا کے جھونکوں کی گنجائش موجود تھی۔ تقدیس کی گھن گرج بلند تھی لیکن ابھی تک کسی نے دکانیں بند کرانے کی دھمکی نہیں دی تھی۔ نائٹ کلبوں کی رونق جاری تھی۔ اُن دنوں سیاسی جمہوریت کا عمل ادھورا تھا، آئین کی تشکیل

دینے میں ہم ناکام اور حکومتوں کا آنا جانا لگا ہوا تھا جبکہ پنجاب کے طاقتور جاگیردار سیاست دانوں اور ہندوستان سے آنے اردو سپیکنگ تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل افسر شاہی کے تباہ کن اشتراک نے بنگالیوں کو میز پر مساوی حقوق دینے کے تصور کو پسند نہ کیا، یہ سب کچھ ایک طرف، لیکن سماجی آزادیاں گھٹن کا شکار نہیں ہوئی تھیں۔ جس کسی بھی جیب اجازت دیتی، وہ لطف اٹھا سکتا تھا۔ آپ جو چاہتے نوش جاں کر سکتے تھے، حالات اجازت دیں تو نائٹ کلب کا رخ کریں، یا لاہور کے بازارِ حسن، کراچی کے نیپر روڈ یا راولپنڈی کے راجہ بازار کی قصائی گلی میں رقص و موسیقی سے لطف اندوز ہوں۔ اب ان تمام مقامات سے زندگی فرار ہو چکی ہے۔

اس کے بعد ایوب خان کی آمریت کا دور آیا لیکن اس دوران شاعری کا گلشن بھی مہکنے لگا، بادِ نوبہار چلنے لگی، گلوں میں رنگ بھرنے لگے۔ آمریت نے سیاست کے کوچہ و در تو مسدود کر دیے لیکن فیض صاحب اور حبیب جالب جو چاہتے پرجوش سامعین کے دلوں میں اتار سکتے تھے، کوئی اخلاقی سلاسل نہ تھی اور نہ ہی سماج پر منافقت کی تقدیس کے پہرے تھے۔ استاد امانت علی خان صاحب ہارمونیم پر ہیرا منڈی میں موجود اپنے مکان پر سر تال کی لے سے ستاروں کو وجد میں لا سکتے تھے اور ہمارے حبیب جالب پاک ٹی ہاؤس کے سامنے مال کے فٹ پاتھ پر بوتل سامنے رکھ کر بیٹھ جاتے تو کوئی آسمان نہ ٹوٹتا۔

ستم ظریفی، بلکہ قہر یہ ہے کہ اخلاقی سائے اُس وقت گہرے ہوئے جب ہمارے سب سے رنگین مزاج آمر، جنرل یحییٰ خان کا دور تھا حالانکہ وہ خود بوتل اور نسوانی حسن کے رسیا تھے، ایوانِ صدر کے باہر خوبرو ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا۔ اُنھی دنوں کی بات ہے کہ ایک اداکارہ، ترانہ، کی بہت دھوم تھی۔ جب وہ ایوانِ صدر بلائی گئی تو کچھ دیر گیٹ پر انتظار کی زحمت ہوئی یہاں تک کہ اندر سے بلاوہ آ گیا۔ چونکہ جاتے میں قدم اور تھے، آتے میں قدم اور، تو گیٹ پر انہی گارڈز نے ادب سے سیلوٹ کیا جنھوں نے جاتے ہوئے روکا تھا۔ اداکاری سے تعلق اور ہیرا منڈی کا بیک گراؤنڈ، تو طعنہ دینے سے باز نہ رہ سکی کہ پہلے کیوں روکا تھا، مودب گارڈ نے کہا میڈیم، جاتے وقت آپ ترانہ تھیں، اب قومی ترانہ ہیں۔ واقعے کی تاریخی سند کا تو علم نہیں لیکن یہ کہانی عوامی حافظے میں موجود ہے۔ مشرقی محاذ پر شکست کے بعد عوام نے افسران کی مے نوشی اور دیگر گناہوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی کئی گروہوں، جیسا کہ جماعتِ اسلامی، نے بیانیہ آگے بڑھانا شروع کر دیا کہ شکست کی وجہ مے کشی اور حسن پرستی تھی، اور ہوا یوں کہ کم ظرف کو تو کوئی نہ کم ظرف کہہ سکا، ساری برائی شیشہ و ساغر کے سر گئی، اسی الجھن میں سیاسی طور پر امتیازی سلوک، جس نے مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے بیج بوئے تھے، کو فراموش کر دیا گیا۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ جب ذوالفقار علی بھٹو نے آئین تحریر کرنے کا عزم کیا تو انہیں اسلامی حوالے دینے پڑے۔ 1974 میں حالات کے جبر نے اُنہیں مجبور کر دیا کہ وہ آئین میں ترمیم کرتے ہوئے ایک مخصوص فرقے کو اسلام کے دائرے سے نکال دیں۔ عجب ستم ظریفی تھی کہ بھٹو بذاتِ خود ایک لبرل اور آزاد سوچ رکھنے والے انسان تھے لیکن اُنھوں نے اپنے خون کے پیاسے ملاؤں کو رام کرنے کے لیے شراب پر پابندی لگا دی۔ اس کی وجہ سے انتخابی مسائل کی وجہ سے 1977 میں ہونے والے احتجاجی مظاہرے تھے۔

جنرل ضیاالحق نے بھٹو کی لگائی گئی پابندی کی بنیاد پر عمارت تعمیر کرتے ہوئے 1979 الکوحل پر پابندی لگا دی، اور اس کے بعد پھر ہم نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ شاید یہ پاکستان کے مسلمانوں کی قسمت میں لکھا ہوا تھا کہ اُنہیں پابندی در پابندی لگا کر مزید مسلمان بنایا جائے گا۔ خیر قوم کا رخ عقیدے کی طرف موڑنے کی پاداش میں جنرل کو جو کچھ مرضی کہہ لیں، اُنہیں ایک بات کا کریڈٹ دینا پڑتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے دور میں Murree Brewery کو بند کرنے کی کوشش نہیں کی، حالانکہ یہ اُن کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ اس کے علاوہ اُس دور میں پولیس کو بھی ہدایت نہیں کی گئی تھی کہ وہ نجی محفلوں پر چھاپے مارے اور لوگوں کے منہ سونگھتی پھرے۔ ضیا دور میں کوڑے یقیناً مارے جا رہے تھے لیکن اُن کا مقصد گناہ گاروں کو سزا دینا نہیں، سیاسی مخالفین کو دبانا تھا۔ جنرل مشرف کو اقتدار پر قبضہ کرنے کے پہلے دو سال تک کسی سیاسی قابلِ ذکر سیاسی اپوزیشن کا سامنا نہ تھا اور پریس، خاص طور پر انگریزی پریس، اُن کا حامی تھا، کیونکہ اُنہیں لبرل نظریات کا حامل سمجھا جا رہا تھا۔ اگر مشرف چاہتے تو ہمارے ہاں گہری ہونے والی عقائد کی گھٹن ختم کر سکتے تھے لیکن اُنھوں نے ان خطوط پر کام کرنے کی زحمت نہ کی۔ اُنھوں نے سوچا ہوگا کہ جب اقتدار ہاتھ آ گیا ہے تو پھر شیر کی کچھار میں گھس کر منافقت کو للکارنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے علاوہ وہ اپنے مشیر خاص، طارق عزیز کی باتوں میں آ کر گجرات کے چوہدریوں کو اپنا سیاسی ہمسفر کر بیٹھے اور اس کے ساتھ ہی اُنہیں مصطفیٰ کمال سمجھنے والوں کی غلط فہمی دور ہو گئی۔

اب سوال کہ کیا ہمارے ہاں کبھی نائٹ کلب (جنہیں میں لبرل ازم کے استعارے کے طور پر استعمال کر رہا ہوں) کی صبح طلوع ہوگی؟ موجودہ جمہوریت تو اس پیش رفت، بلکہ ہر قسم کی پیش رفت، سے خائف دکھائی دیتی ہے جبکہ اس کا پاور ہاؤس، پنجاب، رجعت پسندی اور قدامت پرستی کے ساتھ اپنا تہذیبی ناتا جوڑ چکا۔ یہ حکومت فلائی اوور تعمیر کر سکتی ہے، لیکن سماجی گھٹن سے پرواز اس کے مینیو میں شامل نہیں۔ ہاں، کراچی سے امید کی جا سکتی ہے بشرطیکہ ایم کیو ایم اپنی سیاست پر چھائی ہوئی کنفیوژن کی دھند صاف کر سکے۔ مقامی حکومتوں کے انتخابات نے واضح کر دیا کہ ایم کیو ایم کو کراچی سے ختم کرنا ممکن نہیں۔ اس کی بنیاد انتہائی مضبوط ہے، لیکن رینجرز اپریشن نے بھی ایک لکیر کھینچ دی ہے کہ اب ٹی ٹی پستول اور تشدد زدہ بوری بند لاشوں کا دور واپس نہیں آئے گا۔ اب کراچی کو از سرِ نو سفر شروع کرنے کی ضرورت ہے بشرطیکہ ایم کیو ایم ماضی کو بھول کر آگے کی طرف دیکھنے کے لیے تیار ہو سکے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شہر کو کھول دیں اور اسے پاکستان کا لاس ویگاس یا دوبئی بنا دیں تاکہ دنیا اس طرف رخ کرنا شروع کر دے۔

☆☆☆

بقیہ: بسلسلہ تحریک انسداد سود

اجزاء PLD کے مندرجہ ذیل صفحات پر درج ہیں:

1. Judgement of justice Khalil Ur Rehman PLD page No: 127 to 140 (Publisher: Shariah Academy International Islamic University Islamabad)
2. Judgement of Justice Mufti Muhammad Taqi Usmani Sb PLD page No: 667 to 681 (Publisher: Malik Muhammad Saeed Pakistan Educational press, Lahore.)

(جاری ہے)

War with Allah *(SWT)* and His Messenger *(SAW)*!

Hafiz Aakif Saeed

(Ameer of Tanzeem e Islami)

It has been narrated by Abu Saeed Khudri *(RA)* that he heard the Messenger of Allah *(SAW)* say, "Whoever of you sees an evil must then change it with his hand. If he does not possess the means and ability to do so, then [he must change it] with his tongue. And if he is not able to do so, then he must despise it in his heart [maintain persistent and genuine annoyance and displeasure against it]. And that is the slightest [effect of] faith." *(Recorded in Sahih Muslim)*.

The hadith thus establishes that it is a <u>primary responsibility</u> of the faithful believers in an Islamic Society to check and prevent the evils and *Munkarat* prevalent in that society. Our religion does not entertain the notion that whosoever is involved in doing evil be allowed to do so and that only Allah *(SWT)* will ask of him (hold him accountable on the Day of Judgement)! Therefore, according to the first part of the above mentioned hadith, provided that one has the authority and the power to stop evil and one is in a legal position to do so, it becomes incumbent on grounds of the authority possessed to stop that evil as a religious obligation. For instance, the head of the family is responsible for using his legitimate authority to eradicate any *Munkar* or act against the Islamic Shariah that he witnesses in his home. Similarly, it is the responsibility of the head of an educational institution to act and stop any deviant act taken place within the premises of the institution. The same rule applies to the government ruling a state, which, with the legislative, legal and other law enforcing agencies at its back, is responsible for eradicating all forms of evil from the state. This incumbent responsibility of eradicating *Munkarat* and evils becomes increasingly important in a state claiming to be Islamic and constituting a predominantly Muslim Society and the government in power has a religious obligation to not only check and prevent all sorts of deviant acts but to establish a System for anticipating and preemptively making laws to curb the flourishing of such acts. This has to be done at all costs, even if it requires the use of force, when necessary.

The second part of the hadith mentioned in the beginning is also worth consideration. In simple terms, if the state is unwilling or unable to play its role in eradicating evils and *Munkarat* from the country, then the onus falls on the knowledgeable individuals, particularly the religious scholars and men of faith to wage a Jihad in order to inform and educate the general public of the ills prevalent in the society through their talks, speeches and writings. They ought to call a spade, a spade and convince the state machinery to focus on eradicating social evils and *Munkarat* from the society at large, to the best of their ability, irrespective of the cost they have to pay for speaking the truth.

If, however, the circumstances become such that even the speech or writing of truth becomes unacceptable to an oppressive and belligerent regime that is ruling the state and in addition to breaking the covenants of Allah *(SWT)*, that regime is hell-bent on silencing any voice raised against their actions and the ills prevalent in the society at large, the third part of the above mentioned hadith would apply. Muslims in general are thus required to at least maintain a persistent and genuine annoyance and displeasure against the evils and *Munkarat* in their hearts that are rampant in their country, when faced with such oppressive circumstances created by a brutal regime. It has been referred to as, '...the slightest [effect of] faith in the hadith. In another hadith of the Prophet *(SAW)*, narrated by Abdullah bin Masud *(RA)* and recorded in the same book, the following words appear at its end, "And if even a [genuine] displeasure in the heart regarding the evils and Munkarat is not present, then faith equivalent to even a grain of mustard [an atom's weight] is not present [in that heart]." *(Recorded in Sahih Muslim)*

A superficial analysis of our society (consisting of both the government and the general public)

reveals clearly, that at the collective level, we have embraced almost every possible kind of *Munkar* and evil that could exist! Dishonesty, deceitfulness, treachery, payments of ransom, terrorism, murder, kidnappings, oppression and injustice, violation of others' rights, smuggling, adulteration in goods, promiscuity and nudity… you name it and they will all be found present. Although cases of individual good are found in our society, yet such examples can be found in the most rotten of societies too and they are too few and far between. The bitter truth remains that our society at large is engaged in all of the evils and *Munkarat* mentioned above and more. Of these ills, some are of an individual nature that occur due to the character flaws of a person, while others are 'collective' and are enforced upon the oppressed masses by the ruling elite. It is the religious and moral obligation of our incumbent rulers to eradicate the latter kind of ills with immediate effect or else they will be considered disloyal to the religion of Allah *(SWT)*. Consequently not only will they be ineligible for Allah's *(SWT)* mercy and help in this world, but it would not be a stretch to say that they could well be eligible for His *(SWT)* punishment in the Hereafter. As far as the former category of ills is concerned, i.e., the sinful deeds done by people on an individual level, it is again the responsibility of a genuine Islamic State to arrange for the positive education and religious edification of the general public.

In fact, apart from polytheism, which is based on the personal belief system of an individual, the most heinous sin and the worst possible *Munkar* in the sight of Allah *(SWT)* and His Messenger *(SAW)* is the consumption of Riba and all other forms of Riba-based transactions, which, unfortunately has pervaded in various shapes and forms in our economic system. The truth is that riba has become the cornerstone of the entire economic system of our government.

The degree of Allah's *(SWT)* displeasure and disapproval of an economy based on riba can be understood by reading those verses of Surah Al-Baqarah which were revealed after the outright prohibition of riba, thus, "O you who have believed, fear Allah and give up what remains [due to you] of riba, if you should be believers. And if you do not (stop engaging in transactions of riba), then be informed of a war [against you] from Allah and His Messenger…" *(Al-Baqarah, 2:278-279 part)* Is it not clear that these verses decree those involved in transaction of riba as rebels against Allah *(SWT)* and His Messenger *(SAW)*, thus Allah *(SWT)* has declared a clearly manifested war against such rebels? Is it not worth pondering that Pakistan, since the day of its birth, has constantly been engaged in a war with Allah *(SWT)* and His Messenger *(SAW)*? Are we not refusing to embrace Allah's *(SWT)* mercy, on purpose, by being engaged in an economic system based on riba? Does it need rocket science to understand that the benevolence of Allah *(SWT)* would never surround those who are rebelling against Him *(SWT)*? For what possible reason would Allah *(SWT)* help those who have rebelled against Him *(SWT)* and His beloved Messenger *(SAW)*? Would those who have rebelled against Him *(SWT)* be treated the same as those who have submitted to Him *(SWT)*? Would He *(SWT)* not make his rebels an example of His *(SWT)* wrath for everyone to behold?

Let us now turn to the sayings of Allah's Messenger *(SAW)* [Ahadith] regarding riba. The Prophet is reported to have said, "The sin of riba constitutes seventy (70) parts, the slightest of which is equivalent to a (depraved) man marrying his own mother." *(Recorded in Ibn e Majah)* Is there any more heinous and wicked of a sin that could be imagined?! In another hadith, Jabir *(RA)* narrates that "The Messenger of Allah *(SAW)* cursed the one who consumes riba and the one who pays it, the one who writes it down (records the transaction of riba) and the two who (sign/act as) witnesses to it (the transaction of riba), and he added: they are all the same (in sin)." *(Recorded in Sahih Muslim)*

It is, indeed, a sorry truth of Pakistan's history that the System of riba is being kept up and running, rather arrogantly, even today, despite the fact that the founder of our nation, had stated while inaugurating the building of the State Bank of Pakistan in 1948 that, "I shall watch with keenness the work of your Research Organization in evolving banking practices compatible with Islamic

ideas of social and economic life. The economic system of the West has created almost insoluble problems for humanity and to many of us it appears that only a miracle can save it from disaster that is not facing the world…" *(Source: http://www.sbp.org.pk/about/history/h_moments .htm)* Apart from rebelling against Allah *(SWT)* and His Messenger *(SAW)*, we have also dismissed this instruction given by the father of our nation and state officials adamantly declare that 'an economy based on riba is inevitable for Pakistan.'

It is only due to this blind adherence to the System of riba that Pakistan today has become a slave of the IMF and the World Bank and we have to accept and submit to every order that they give and make it part of our economic policy. Consequently, more than half of the population of Pakistan is forced to live below the poverty line. Poverty, hunger, unemployment and scarcity of resources to fulfill needs has become the fate of this nation. Inflation is rampant and every person living in Pakistan is indebted to International Money-lending institutions. During the last 15 years the per capita debt has risen from PKR 35,000 to more than PKR 100,000. Every new ruler of our country starts off by taking further loans from the blood-sucking international donor institutions, thus putting the nation further into grind and after lavishly 'spending' a major proportion of the borrowed money on personal luxury, considers it a 'great success story'. This vicious and satanic cycle of borrowing debt and repaying on interest continues on and the economic situation of the country has now become worse than ever.

Many a religious scholars and other religious elements have constantly been ringing the alarm bells against this evil and made efforts to direct the attention of our rulers towards this issue. However, the result has not been encouraging yet. Have our rulers decided that they would continue this war against Allah *(SWT)* and His Messenger *(SAW)* and keep fueling it even further? Have they not considered the dreadful fate that awaits them in the world and in the Hereafter? Will they stop short of nothing but making the future of Pakistan as bleak and ominous as possible? We pray to Allah *(SWT)* for saving us from such fate. Aameen!

VOL : 24 | Regd. C.P.L NO. 114 | No.48
Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore